مصنفہ

جناب چودھری محمد علی صاحب تعلقہ دار ردولی

مطبع جامعہ ملیہ دہلی میں چھپی

سنہ ۱۳۴۶ھ
۱۹۲۸ء

عالیجناب آنریبل مہاراجہ سر محمد علی محمد خان بہادر کے سی ایس آئی۔ کے سی آئی ای۔ ہوم ممبر گورنمنٹ صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ۔ والی ریاست محمود آباد دام اقبالہ و ضاعف اللہ حشمتہ و فیوضہ

جناب والا۔ خطاب کی تہنیت میں آج تک نہ حاضر ہوا۔ خالی ہاتھ کیا آتا۔ اب یہ ناچیز تصنیف پیش کرتا ہوں اور مبارکباد دیتا ہوں۔ جناب خطاب کے بھوکے نہیں صفات ذاتی وصف اضافی سے مستغنی ہیں لیکن ہر چیز اپنے موقع پر خوشنما ہے۔ یہ خطاب آپ کے لیئے موزوں اور آپ اس خطاب کے شائستہ جواہر نگار قبضہ کا جوڑ جوہر دار تلوار سے مل جاتا ہے۔ حالانکہ لوہے کی اصالت ہیرے موتی سے بے پرواہ ہے۔ یہ ناچیز کتاب ایک نہایت ہی ضروری موضوع پر لکھی گئی ہے۔ ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ ہو گی جو مختلف وجوہ سے اس پر معترض ہوں گے۔ لیکن خدمت خلق جس کے لیئے جناب نے اپنی ذات کو مختص کر لیا ہے اس میں اعتراضات کی کمی کب ہے۔ لہذا التجا ہے کہ اس کتاب کو اپنے نام نامی سے عنوان دینے کی اجازت عطا کیجئے اور جس طرح اس گمنام نے اس کے کہنے کی جسارت کی ہے جناب بھی اس کے عنوان دینے کی ذمہ داری قبول فرمائیے۔

محمد علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کرون صد عیب نہ کردن یک عیب جنسی موضوع پر کتاب لکھنا اور نوجوانوں کے ہاتھ میں دینا ذمہ داری سے خالی نہیں ہے لیکن جن ڈھونڈھا تن پائیاں گہرے پانی بیٹھ۔ جب تک کوئی شخص جرأت کر کے جوکھوں نہ اٹھائے گا کام کیوں کر چلے گا۔ یہی خیال تھا جس نے ہمت برقرار رکھی اور یہی خیال تھا جس سے عذر خواہی کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ پھر بھی اگر کوئی پڑھنے والا مجھ کو خطاوار مان کر معاف کر دے گا تو مجھ کو عذر نہ ہو گا۔

مغربی ممالک میں ہزاروں تصنیفیں اس موضوع پر ہیں جن میں جنسی تحقیقات از روئے فلسفہ کی گئی ہے ایک کثیر تعداد ان کتابوں کی بھی ہے۔ جن میں زندگی کے مختلف حصوں پر الگ الگ ہدائتیں ہیں، مثلاً کنواری کو کیا جاننا چاہیئے۔ سہاگن کو کیا جاننا چاہیے لڑکوری کو کیا علم ضروری ہے۔ سن الیاس کے متعلق ہدائتیں۔ جواں مرد کو ہدائتیں وغیرہ وغیرہ۔

زمانہ کا رنگ ہمارے ملک کی بھی حالت بدل رہا ہے اور ایسی ہی کتابوں کی ضرورت پیدا ہو رہی ہے لیکن لکھنے والے پر یہ احتیاط فرض ہے۔ کہ صرف اسی قدر باتیں معرض بیان میں لائے جس قدر ضروری ہیں۔ یورپ میں پچاسوں طریقے جنسی خواہشات پورا کرنے کے بتائے جاتے ہیں جن میں سے اکثر خلاف فطرت ہیں کہیں بڑے بڑے علماء اور ڈاکٹر ان کو بیماری کے ضمن میں شمار کرتے ہیں یا افتاد طبائع کے خصوصیات

مان کر قابل معافی ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ ہماری آپ کی نظر میں اچھے خاصے جرائم ہیں اور اگر متبذل خیال اور متبذل محاورے کی اجازت ہو تو میں عرض کروں گا۔ کہ ایسے ناشائستہ حرکات کا علاج نہ جیل خانہ ہونا چاہیئے نہ پاگل خانہ بلکہ روز صبح پانچ جوتے اور حقہ کا پانی چنگا کر دے گا۔

اس قسم کی باتوں کو چھوڑ جانا مصلحت ہی کیوں کہ ہم لوگوں کو پڑھانے سکھلانے کی ضرورت نہیں جس قدر یورپ والوں کو ہی خصوصاً نسوانی طبقہ کو۔ وہاں کی دوڑ دھوپ افکار مشاغل ایسے ہیں کہ لوگ اعصابی مزاج ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ ذرا ذرا سی باتوں کا اثر ان پر زیادہ ہوتا ہی۔ ہندوستان میں عورت اگر میاں بی بی کے رابطہ سے سہاگ کی رات تک بھی بے خبر ہے تو چنداں نقصان نہیں ایک رات میں واقف ہو جائے گی اور ایک دن میں اپنے فرائض کو گوارا کرے گی۔ نہ یورپ کی بعض عورتوں کی طرح عمر بھر کے لیے متنفر ہو جائے گی۔ جیسا کہ ایک بڑی پڑھی لکھی انگریز معلمہ کی بابت مشہور ہی۔ نہ خداوند تعالےٰ پر جنسیں بنانے پر اعتراض جڑنا شروع کر دے گی لڑکوں میں بھی اس قدر ضرورت واقف کاری کی نہیں معلوم ہوتی جس قدر یورپ کی کتابیں سکھلاتی ہیں۔ وہاں پردہ ہونے کی وجہ سے زیادہ علم کی ضرورت ہی یہاں جب تک ہم لوگ پردے کا عیب برداشت کر رہے ہیں اس کے ہنر سے فائدہ کیوں نہ اُٹھائیں یعنی لڑکوں کو پیش از وقت ضرورت سے زیادہ پختہ کار بنانے کی کوشش کیوں کریں۔ کیوں کہ یہ بالکل خام خیالی ہی کہ اگر لڑکوں کو وقت سے پہلے سب کچھ پڑھا دیا جائے گا تو وہ بُرائیوں سے ایسا ڈر جائیں گے جیسا مولوی سے ڈرتے ہیں کتاب میں ہزار لکھا ہو جب وہ اپنے بڑے ہم مکتبوں سے اس کا ذکر فخریہ سنیں گے تو وہ لکھی ہوئی باتوں کو دیکھی ہوئی باتوں پر ہرگز ترجیح نہ دیں گے۔

بلکہ جو لڑکا ذرا سا بھی منچلا ہوا اُس کا شوق دوگنا ہو جائے گا۔

اور اگر اپنے ہم مکتب کی قابل رشک حالت دیکھ کر اس کو بھی شوق نہ پیدا ہوا تو سمجھ لیجئے وہ لڑکا نہیں بڑھا ہے۔ ہاں وہ تعلیم جو واقعی کارآمد ہے اور جس کا اثر مدت العمر رہتا ہے عفیفہ ماں کی گود میں ہوتی ہے جس کا مقابلہ کوئی کتاب نہیں کر سکتی اور جس کے موثر ہونے پر مغربی اور مشرقی علما ایک زبان ہیں پھر بھی کچھ لکھنے کی ضرورت ہے ہی۔ ع

زمانہ با تو بسازد تو با زمانہ بساز

کوئی پسند کرے یا نہ پسند کرے زمانہ کی چال جدھر لیجاویگی اُدھر جانا ہی پڑیگا۔ اور اگر انسان نے اسی زمانے کی چال کے مفہوم کو خوب ذہن نشین نہ کر لیا تو کوئی بہت بڑا روز بد دیکھنا نصیب ہوگا۔ اس اجمال کی تفصیل ضروری ہے مثلاً غدر کا شرمناک واقعہ جس کی وجہ سے ہندوستانی انگریزوں کے سامنے سر اُٹھانے کے قابل نہیں رہا اسی زمانہ سے بے خبر ہونے کا نتیجہ تھا۔

وہ تجارت کا درخت جس کا بیج شاہ جہاں کی سلطنت میں بویا گیا انیسویں صدی میں اپنی شاخیں اچھی طرح پھیلا چکا تھا یورپ کی دلآویز صنعتوں نے ملک میں رواج پا کر خیالات میں تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ جنگلی پانڈے اور دوسرے جاہل لوگ اپنے دماغوں میں نئی فکروں کی بھرمار پاتے تھے افعال طرز روش نیز اعتقادات میں ایک بڑا فرق دیکھتے تھے اپنے ہمجنسوں کو بھی انہیں اثرات کا شکار پاتے تھے جس طرح بچہ اپنی ماں کی گود میں دوسرا بچہ دیکھ کر فطرتاً پریشان ہوتا ہے یا معدہ غیر مناسب غذا کو نکال کر پھینک دینے کی کوشش کرتا ہے یہ لوگ بھی دماغ کے ان تازہ افکار سے پریشان تھے۔ مگر علم کی قلت اور خصوصاً علم النفس و القویٰ سے ناواقف کاری اُن کو متحیر کیے ہوئے تھی۔ یہاں تک کہ کئی جاہل دماغوں نے یہ بات

پیدا کی کہ ہو نہ ہو یہ خیالات میں تبدیلی سب کارتوسوں کی پیدا کی ہوئی ہے جو دانت
سے کھولے جاتے ہیں اور جن میں سور اور گائے کی چربی سب کے ایمان لے رہی
ہے دوسرے خود غرض لوگوں نے جن کی ضرورتیں طوائف الملوکی سے وابستہ
ہیں اس خیال کو ترقی دی اور وہ ہوا جو خدا نہ کرے پھر ہو۔ کیونکہ لڑنا عیب
نہیں مگر کمینے پن سے بڑا دوسرا عیب نہیں اگر لوگوں میں علم کی کمی اسی زمانہ کی
ایسی ہوئی تو آج ۱۹۲۵ء میں بھی اس طرح کی باتیں ہو جانا ایسے ہی قرین قیاس
تھا جیسے ۱۸۵۷ء میں اور موجودہ بے چینی میں اسی ناواقف کاری کا کچھ حصہ ہو بھی تو
جائے تعجب نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے نوجوان۔ عربی قول۔

الناس علیٰ دین ملوکہم ترجمہ لوگ ہمیشہ اپنے بادشاہ کے مذہب پر ہوتے ہیں

کے موافق اپنی ہر چیز سے متنفر اور ہر یورپین چیز کے مشتاق ہیں۔ یہ بات نہ ہندوستان
کی طینت کو پسند ہے نہ خود فطرت ہی کو پھر اس مصنوعی کیفیت کا اثر کیا ہونے
والا ہے یا تو یہ ہوگا کہ ایک غدر سے بڑا غدر ظہور پذیر ہوگا جو لوہے کے ہتھیاروں کے
بجائے نفرت کے حربوں کا ہوگا۔ یا ہر شخص کرسٹان ہو جائے گا۔ جو انگریز ہندوستانی
سب کی نظروں میں خوار ہے کیونکہ عیسائیت تو اپنے صحیح اور مبارک معنوں میں یورپ میں
بھی مفقود ہے۔ وہ میانہ روی جو بہترین حالت کہی جا سکتی ہے اسی طرح بہم
پہنچ سکتی ہے کہ آدمی زمانے کی چال کا صحیح اندازہ کرلے اور دونوں پہلوؤں کو
گھٹا بڑھا کر برابر کرلے۔ یعنی ترازو میں ایک طرف طینت اور دوسری طرف
ناگزیر نئی روشنی کو رکھے اور ایک پلہ میں دوسرے پلہ کا مواد اس طرح ڈالے کہ
دونوں پلے برابر اتریں۔ عشق ہی کو لے لیجئے چالیس پچاس برس ادھر ہندوستان
میں لیلیٰ مجنوں نل دمن وغیرہ کے قصے اسی طرح پڑھے جاتے تھے جس طرح آدمی
بادشاہوں بلکہ دیو پری کی کہانیاں سنتا ہے آج یہ زمانہ آگیا ہے کہ ہر نوجوان کے

دل میں بھی خیال ہو کہ عشق میں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہیے ہم بھی اولاد آدم ہیں جو ترکہ یورپ کے چہیتے بیٹے کو ملا ہے ایشیا کے محروم الارث کو بھی ملنا چاہیے وہ آدم کی اولاد ہی کیا جو سنگ ولیپ سے عرب کی سرزمین تک معشوقہ کی تلاش میں نہ جائے وہ شادی ہی کیا جس میں جھگڑوں کی عرفات نہ ہو۔ یہ سب خیالات اسی بنا پر پیدا ہوئے ہیں کہ ہم ناولوں میں یہ مضمون پڑھتے ہیں اور ہر انگریز کو اسی کا دعوے دار پاتے ہیں (آیا انگریزی قوم کا یہ دعویٰ ٹھیک بھی ہے آگے چل کر دیکھا جائے گا اس جگہ صرف اُس بات سے غرض ہے جو ہم دیکھ کر سیکھتے ہیں) اسی کے مقابلہ میں بابو بنکم چندر چٹرجی کے ناولوں کو لیجئے۔ دیبی چودہرانی میں ایک خود غرض آدمی کا سپوت لیٹا باپ کے حکم سے اپنی بی بی کو چھوڑ دیتا ہے اور دل کی خواہش سے مجبور ہو کر حکم کی صرف اس قدر خلاف ورزی کرتا ہے کہ ایک بوسہ لے لیتا ہے جس کو تجربہ کار مصنف نے عبادت بتایا ہے اس کے بعد دوسری شادی کر لیتا ہے بہت برسوں کے بعد باپ ہی کے حکم سے پھر اُسی پہلی بی بی کو گلے لگاتا ہے اور خوشی کی زندگی بسر کرتا ہے۔

ناظرین واقعہ صرف آپ بیتی بیان کرتا ہے قصہ اگر صحیح معنوں میں عمدہ ہوا تو جگ بیتی بیان کرتا ہے۔ بنگالہ کے جادوگر بنکم چندر کی کتابیں قوم کی قوم پر حاوی ہیں۔

اب ان دونوں اُصولوں کی ناپ جوکھ پڑھنے والے کا کام ہے ایک طرف انگریزی نام نہاد عشق کا دریا لیجئے اور دوسری طرف یہ مصنوعی بندھا پانی جیسے باپ کے حکم سے ایک بی بی کو چھوڑ کر دوسری کی۔ اور پھر اُس پہلی کو بھی بلا لیا غور کرنا چاہیے کہ ان دونوں حالتوں میں (یعنی ہندوستانی اور انگریزی) کتنا جزو فطرت کا ہے اور کتنے دوسرے اجزا ملک مذہب ملت آب وہوا۔ اور زمانہ کی وجہ سے گھل مل گئے ہیں۔ تھوڑی سی فکر ظاہر کر دے گی کہ چاہے انگریزی طریقہ

ہو یا ہندوستانی دونوں میں صرف فطرت ہی کی پیروی نہیں ہے بلکہ ہندوستانی
خیال میں کچھ خاصی ہندوستانیت اور انگریزی خیال میں کچھ خاصی انگریزیت ہی لیکن
ہر قوم اپنے زعم ناقص میں اپنا ہی طریقہ فطرت کے موافق سمجھتی ہے اور دوسروں کا
طریقہ اس کے برخلاف بتاتی ہے۔ ملک مذہب ملت آب وہوا وغیرہ کے اثرات
ہو کر رہیں گے ان سے انکار کرنا یا ان کو غیر ضروری سمجھنا حماقت ہے لیکن جو نکتہ
قابل لحاظ ہی وہ یہ ہے کہ اگر دوسرے ممالک کے طریقے اختیار کیے جائیں گے۔ تو
فطرت کا جزو تو صحیح رہے گا باقی سب غلط ہو جائے گا ایک ذرا سے تصرف اور
تنزل کے ساتھ سعدی کا شعر اس مفہوم کو آئینہ کرتا ہی۔

خلاف وطن ہر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

کاٹھیاواڑی گھوڑے کے صفات الگ ہیں انگریزی تھارو برڈ کے صفات الگ
ہیں۔ تازی کتا اپنے خصوصیات کی وجہ سے قابل قدر ہے انگریزی بلڈاگ اپنی
نرالی نوعیت میں سب سے علیحٰدہ ہے۔ آخر انسان اپنی قومی خصوصیات کیونکر چھوڑ
دے گا۔ دماغ کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے حیوان کی خامیاں ضرور کم ہوگئی ہیں
مگر یہ عالم پھر بھی ناقص ہے اور ناقص ہی رہے گا جیسا کہ ہر مادہ پرست اور نیز
خدا پرست آپ کو بتا دے گا۔ جب یہ حال ہے تو انسان کمال کی تلاش میں
تضیع اوقات کیوں کرے اور بجائے دوسروں کا طریقہ سیکھنے کے وہی راہ کیوں
نہ چلے جو ملکی خصوصیات کی وجہ سے ہمارے مناسب حال اور موافق ہے جب
شہنشاہ جاپان کا انتقال ہوا تو جنرل نوگی فاتح پورٹ ارتھر نے خودکشی کر لی جس کو
جاپانی زبان میں ہاری کاری کہتے ہیں جو ہمیشہ کسی اعلیٰ غرض کے لیے کی جاتی ہی
اور لکھ گیا کہ میں ہاری کاری اس واسطے کرتا ہوں کہ ہمارا شہنشاہ کہتے کہتے مر گیا
مگر لوگوں نے یورپ کی عیش پسندی جو قومی خصوصیات کی دشمن ہی نہیں چھوڑی۔

جب جاپان ایسی اعلیٰ قوم اور صاحب اقتدار ملک اس عیب سے یوں بھاگے تو ہندوستان کا کیا حشر ہوگا جو دوسروں کی ہر چیز کا دلدادہ اور اپنی باتوں سے کارہ ہے۔

میرے دوستو میرا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ یورپ یا کسی ملک یا فرد سے آدمی کینہ رکھے یا اُس کو ذلیل سمجھے۔ کیونکہ کینہ وہ چیز ہے جو دوسروں کو نقصان پہنچائے یا نہ پہنچائے کینہ پرور کو پہلے ہی کھا جائے گا۔ اور ہم جب خود ذلیل ہیں تو دوسرے کو کیا ذلیل نظر سے دیکھ سکتے ہیں مدعا صرف اس قدر ہے کہ جو باتیں صدی در صدی کے تجربہ کے بعد ہماری کہلاتی ہیں اُن کی قدر پہچان لی جائے۔

میں نے محبت کے اوپر کوئی جداگانہ باب نہیں لکھا ہے حالانکہ اس کتاب میں محبت کا باب نہ ہونا ایسا ہے جیسے کوئی اندر سبھا امانت میں سے گلفام شہزادہ کا نام نکال ڈالے۔

محبت کی وجہ سے دنیا بہشت ہو جاتی ہے اور عقبیٰ بھی بن جاتی ہے جمال خدا کی مظہر محبت ہے لیکن یہاں جس محبت سے بحث ہے وہ دو انسانوں کے دل کا لگاؤ ہی جو مختلف جنسوں کے ہوں۔ اسکی شروعات خواہش تزویج و جذبہ ہمدردی سے ہوتی ہی۔ جذبہ ہمدردی خود وہ چیز ہے جو صرف انسان اور چند بہتر قسم کے جانوروں میں پائی جاتی ہی نباتات اور نیز ادنیٰ قسم کے جانوروں میں اس کا پتہ نہیں چلتا اور صرف خود غرضی ہی دکھائی دیتی ہی۔ مکڑیاں وغیرہ نر کو اپنی غرض پوری ہونے کے بعد اکثر کھا جاتی ہیں۔ شہد کی مکھیاں جس وقت ان کا مطلب نکل گیا نر کو مار ڈالتی ہیں شہد کے چھتے کے نیچے اکثر مکھیاں مری ہوئی ملتی ہیں یہ وہی قربانیاں ہیں جو توالد اور تناسل اور خود غرضی کے دیوتا کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہیں۔ لٹارنو لکھتا ہے کہ دیکھا گیا ہی کہ جفتی میں مینڈھک کی مادہ مر گئی ہے۔

برخلاف اس کے اعلیٰ قسم کے جانوروں میں اور انسانوں میں ہمدردی کا جذبہ اچھی طرح پایا جاتا ہے اکثر بندر اس قسم کے سُنے گئے ہیں کہ اگر اُن کا جوڑا مر گیا ہے تو اُنھوں نے بھی کھانا پینا اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور اسی طرح تھوڑے دنوں میں مر گئے ہیں۔ قمری کی نسبت بھی اسی طرح کی روائتیں ہیں گو کسی کتاب میں نہیں دیکھا ہے، کہ ایک مرتبہ رانڈ ہونے کے بعد وہ بھی پھر سے سہاگ نہیں چڑھاتی۔ سارس کی عادت ضرب المثل ہے راقم خود اپنا تجربہ عرض کرتا ہے کہ ہم تین احباب بطوں کے شکار کو گئے مگر ایک پر بھی نہ ملا۔ واپسی میں ایک جوڑا سرخاب کا بیٹھا ہوا دیکھا وہ ہم لوگوں کو دیکھ کر اُڑا۔ گو کہ شکاری اس پرند کو مارنا پسند نہیں کرتے لیکن شکار خالی جانے کی وجہ سے ایک جھلاہٹ تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرے ایک دوست نے ایک کو گرا لیا یہ چڑیاں حسب عادت بولتی ہوئی چکر کاٹ رہی تھیں کہ ان میں سے ایک اُلٹتی پلٹتی زمین پر آرہی۔ دوسری کی آواز میں فوراً ایک چوٹ سی پیدا ہوگئی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا درد کے بین کرتی ہے ہم لوگ برابر کئی دن اس کوشش میں رہے کہ اُس کو بھی ماریں مگر ہاتھ نہ آئی حالانکہ اس نے وہ جگہ نہ چھوڑی نہ اس کی آواز سے وہ گداز گیا مجھ کو بعد کو معلوم ہوا کہ میرے دوسرے دوست نے جو اس کے سبب سب سے زیادہ پریشان تھے اُس کی مصیبت کا خاتمہ کر دیا اور اُن کا بیان ہے کہ اُس کا سینہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔

ع - عشق زین بسیار کردست و کند۔

بہت دنوں کے ساتھ سے بھی ہمدردی مبدل بہ محبت ہو جاتی ہے۔ علمائے نفسیات یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمدردی بھی لذت کا ایک جزو ہے اگر یہ صحیح ہے تو کڑی سے کڑی مل گئی اور سلسلہ محبت کا قائم ہو گیا کیونکہ اگر غور کیجئے تو محبت عبارت ہے خواہش نفس اور ہمدردی سے جو نسلاً بعد نسلاً کی عادت نے ہماری طینت

ہوگئی ہے۔ لیکن یہ ہمدردی بھی اسی طرح شروع ہوئی ہوگی جس طرح میں نے ثابت کرنا چاہا ہے یعنی وہی خودغرضی کی بنا پر اس قدر اور عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ میرے خیالات نہیں ہیں لیکن یہ بالکل ممکن ہے کہ میں بھی غلطی پر ہوں اور وہ لوگ بھی غلطی پر ہوں جن سے میں یہ مضامین لے رہا ہوں۔

محبت خلق اللہ کو ایسی راس آئی جیسے کسی کو نیلم کا نگ راس آتا ہے نہ معلوم کس قدر اقتصادی۔ معاشرتی۔ ملکی۔ جنگی اور مذہبی وغیرہ وغیرہ ضرورتیں اس سے دودھ کے گھونٹ کی طرح آسان ہوگئیں لیکن جس طرح رنگریز پہلے استر کا رنگ دے لیتے ہیں تب دوسرا رنگ چڑھاتے ہیں اسی طرح اس محبت کو جس کام میں جی چاہے لائیے لیکن پہلے مجازی رنگ دے دیجئے ورنہ رنگ چوکھا نہ آئے گا۔

یہ تو وہ محبت ہوئی جو تمام بنی نوع انسان میں عام ہے اب ملکی خصوصیات کی وجہ سے ہر قوم کے طریق میں جو اختلاف ہوگیا ہے اس کو لیجیے۔ شادی کے باب میں کچھ ذکر محبت کا آگیا ہے جس سے ہم کو واسطہ ہے اس لیے انگریزوں کے انداز محبت کی تھوڑی وضاحت ضروری ہوئی (ملاحظہ ہو شادی کا باب) قدیم علمائے اخلاق نے محبت کے پانچ درجے قائم کیے ہیں۔ استحسان۔ مودت۔ خُلّت۔ عشق۔ ولہ۔ اس کے آخری دو درجے بیماری ہیں اور کوئی شک نہیں کہ بیماری ہیں۔

عشق میں جس چیز کی تعریف کی جاتی ہے وہ اُس کے قربانی وغیرہ کے مظاہر ہیں ورنہ عشق کے بجائے خود ایک عارضہ سے کم نہیں۔

رابرٹ برٹن۔ کی قدیم کتاب اناٹمی آف میلنکلی جس کا جواب آج تک انگریزی زبان میں نہیں ہوا اور جس کی تعریف میں ڈاکٹر جانسن کے ایسے نقاد اور دیگر علماء ہمیشہ رطب اللسان رہے ہیں اس مضمون سے پُر موجود ہے متذکرہ بالا کتاب کا ترجمہ بوجہ لاطینی جملوں کے اس قدر مشکل اور محنت کا کام ہے کہ میں پوری طور سے نہیں

کر سکتا۔ اس میں لائق مصنف نے عشق اور ولہ کی بیماری قرار دے کر سیکڑوں قدماء کے اقوال نقل کیے ہیں اور وہی معالجہ اور تدابیر تجویز کیے ہیں جو جنون کے لیے ہیں جلد سوم کے صفحہ ۲۱۸ میں حسب ذیل عبارت ہے۔

"بوعلی سینا نے سات بسیط طریقے اس سخت مرض کے دور کرنے بدل دینے اور خفیف کرنے کے لکھے ہیں ساوآمار ولانے ۹ طریقے بیان کیے ہیں جاسن نیٹنس نے علاوہ ادویہ کے آٹھ طریقے لکھے ہیں۔ لارن شیس نے دو اصول اضافہ بتائے ہیں۔ آرنولڈس۔ وے لی رینولا۔ مان ٹالٹس ہلڈی شیم۔ لانجیس نے دوسرے دوسرے طریقے بیان کیے ہیں اور معالجات لکھے ہیں مگر سب کا منشا وہی ایک ہے"

اس کے علاوہ دوائیں وغیرہ بھی مندرج ہیں۔ غذا اور پرہیز کی بابتہ مفصل ہدایتیں موجود ہیں قریب قریب سب لاطینی زبان میں ہیں جن کے نقل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ خیارین۔ گل نیلوفر۔ کاہو۔ اور بہت سی اور دوائیں جن کا اردو نام نہیں معلوم لکھی ہیں۔ ایک دوا۔ اگنس کیٹس نام ہے۔

علاج بالمثل میں یہ دوا نامردی کے لیے نہایت سریع الاثر ثابت ہوئی ہے ایسے مریضوں کے لیے جو بار بار سوزاک وغیرہ میں مبتلا ہو چکے ہیں اور بقول ڈاکٹر ہیمنگ کے۔ "پرانے گنہ گار" ہیں بہت مفید ہیں۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر بالمثل علاج میں اس کا یہ اثر ہے تو بالضد علاج میں ضرور سکون پیدا کرے گا۔ یونان قدیم میں ایک تیوہار عورتوں کا ہوتا تھا۔ جس کو تھسموفوریا کہتے تھے۔ اس میں عورتیں مردوں سے نو روز تک جدا رہتی تھیں اور اس زمانے میں اپنے بچھونوں پر ایک قسم کی پتی بچھاتی تھیں جس کو جینا کہتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس لفظ کو عربی میں مناسبت کچھ تعلق ہو اگر ایسا ہے تو ایشیائی ممالک

میں جہاں ہندی کا استعمال ہی کیا تعجب ہی کہ اسی غرض سے مروج ہوا ہو کیونکہ ہندی
حدت کو کم کرتی ہے۔ اسی اصول پر اگر نیم کی پتی کا مجرد لوگ استعمال کسی نہ کسی طرح
رکھیں تو یقیناً مفید ہوگا یہ خیال کرنا کہ بارد دوائیں آدمی کو نامرد کردیں گی غلط ہی
انگریزی دوائیں مثل برومائڈ وغیرہ کے یا ہندوستانی دوائیں اسی قبیل کی
آدمی کو نامرد نہیں کرتیں بلکہ ایک قسم کا سکون پیدا کردیتی ہیں جو تجرد کی پریشانی
کو کم کرتا ہے۔ میرے ناظرین کہتے ہوں گے کہ یہ لکھنے والا سٹھیا گیا ہے جو آج
سنہ ۱۹۲۵ء کی دریافتوں کو چھوڑ کر دقیانوسی کتابیں پیش کرتا ہی اور حضرت نوح
کے زمانے کا معالجہ سکھلاتا ہی مجھ کو اعتراف ہی کہ میں نئی روشنی سے جس کا ایک
زمانے میں دلدادہ تھا پریشان ہوگیا ہوں خواہ اس کو انحطاط کہیے یا تجربہ کے
خوبصورت نام سے تعبیر کیجیے۔

لیکن عقل کا حکم آج بھی وہی ہی جو حضرت نوح کے زمانے میں تھا اول تو
بعض کتابیں ہوتی ہیں جو پڑھی نہیں ہوتیں دوسرے ہم سمجھتے ہیں کہ اگر دخانی اور
برقی دریافتوں سے جو اگلے زمانے میں تھیں قطع نظر کرلی جائے تو دنیا نے کچھ زیادہ
ترقی بھی نہیں کی ہی نہ دنیا کی راحت ہی زیادہ ہوگئی ہی دلیل یہ ہے اس ترقی کو جس
غریبی کی سزا باوجود محنت کے تخفیف ہو اور بڑے دولتمند کا ٹھیکہ لگانے
ترقی تو جب کہی جاسکتی ہے جب محنت کا درجہ عمل میں ویسا ہی ممتاز ہوتا جیسا
از روئے علم ہے اور بیماری دور کرنے میں بجائے ڈاکٹروں کی آسانی بڑھ جانے
کے مریض کے مصائب کم ہو جاتے۔ کلوروفارم ہی کو لے لیجیے بقول برنارڈ شا
کے اگلے زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ جب کوئی عمل جراحی کرتا ہوتا تھا تو صرف وہی
شخص ہاتھ ڈال سکتا تھا جو فطرتاً اس کام کے لیے موزوں ہوتا تھا دستور سے
طلبا مریض کو ہر طرف سے دبائے رہتے تھے اور وہ استاد جو [illegible]

کو خدا کے یہاں سے ودیعت لایا تھا نہایت تیزی سے اپنا کام کرتا تھا۔ مریض
کی چیخم دھاڑ رگڑا تگڑا میں ہر شخص جراحی نہیں کر سکتا تھا۔ اب کلورا فارم نے ہر گدھے
کو جراح بنا دیا ہے۔ مردہ بدست زندہ۔ جب تک جی چاہے کاٹو پیٹو تجربے
کرو کتابیں لکھو جو کچھ مریض پر گزرتی ہے وہی جانتا ہے ایک ایک شکایت کے لیے
ہزار ہزار پیٹینٹ دوائیں ایجاد ہوتی ہیں۔ یہ دوائیں اکثر ایک ہی قدیم اُصول پر
ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ دولت گھسیٹنے کی کوشش میں اگر کوئی شخص پیٹینٹ
کے محکمہ والوں کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا تو دوا ایجاد ہو گئی اور ایک
سوداگر نے بہت سے بیماروں کی گاڑھی کمائی میں حصہ لگا لیا۔ آتشک کے لیے
پارہ کو لے لیجئے نہ معلوم کب سے یہ دوا دنیا میں رائج ہے۔ آج۔ نو دوا آرسینو بلان
سیل ورسان۔ ۶۰۶۔ ۹۰۹۔ اور نہ معلوم کون کون ایجادیں موجود ہیں جو
واقعی بیماری کو کم کر دیتی ہیں مگر اصل اُصول وہی رہا یعنی دو برس پارہ کھانے
کی ضرورت پھر بھی باقی رہی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ زمانے نے بالنسوں ترقی کی ہے
اگر یہ ترقی کہی بھی جائے تو جوں کی چال سے ہے۔ پتھری کے اپریشن کے لیے
لکھا ہے کہ جو طریقہ اس کے دور کرنے کا نئی ایجاد مانا جاتا ہے یعنی مثانے میں سے
توڑ کر نکالنا وہ صدیوں صدیوں پیشتر رائج تھا اور اس کے آلے تھے جن کی
صنعت کی خوبصورتی کا حال پڑھ کر آدمی دنگ رہ جائے یہ خیال کرنا کہ ہر پرانی
چیز بیکار اور از کار رفتہ ہو گئی ہے غلط ہے۔ یورویدک اور یونانی طریق معالجہ
کو لے لیجئے ہر جگہ ہسپتال موجود ہیں جہاں دوائیں نئی بنائی اور مفت ملتی ہیں
ہر طرح آسانیاں اور سہولتیں ہیں لیکن پھر بھی مطب اسی طرح سے بارونق ہیں اور
اُن کی خیرات اسی طرح جاری ہے اس کے وہ وجوہ ہیں جو دونوں میرے خیال
کو مضبوط کرتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ پرانے علوم پرانے کپڑے نہیں جو ایک مدت کے بعد کاغذ

بنانے کے لیئے کارخانہ میں بھیج دیئے جائیں دوسرے یہ کہ باوجود مشکلات کے جو عطار کے یہاں سے بند ہو انے کوٹنے
پیسنے چھاننے نیم گرم کردہ شربت افزودہ خاکسی پاشیدہ جوشاندہ میں ہیں یا چند روٹے اور
مکر قطہ ہج تیار کرنے میں ہیں۔ پھر بھی مقبول عام ہیں۔ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ
اس میں وطنیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اگر غیر ملکی دوا جسم میں پہونچتی ہے تو وہ اپنی زبردست
قوت کی وجہ سے جسم کے اخلاط کو زیر کر کے اپنا حکم جاری کر دیتی ہے برخلاف اس کے
ہندوستانی دوا جسم میں پہونچ کر اخلاط سے اس طرح گھل مل جاتی ہے جیسے برسوں
کے بچھڑے ملتے ہیں۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کاسنی۔ مکو۔ جو ہم استعمال
کر رہے ہیں اسی خاک سے پیدا ہوئی ہو جس میں ہمارے آبا و اجداد کی ہڈیوں
نے اس کو مدد دی ہے۔ حضرات۔ وطن پرستی اس وجہ سے پسند خاطر نہیں کہ
خوبصورت نام ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس راہ سے بڑھ کر دوسری راہ ترقی
کی آسان نہیں ہے۔

راقم الحروف جس بات پر لکھتے لکھتے نہ معلوم کس میدان میں پہنچ گیا۔ یہ بات
بے ارادہ نہیں ہوئی ہے بلکہ لکھنے والے کے خیال میں اس کی ضرورت بھی تھی میرے
پڑھنے والے اگر آپ ماشاءاللہ امیر ہیں تو کسی غریب بیچارے نے آپکی
ضیافت کی ہے؟ اگر آپ خدا نخواستہ غریب ہیں تو آپ نے کسی امیر کی دعوت
کی ہے؟ میری کتاب اسی دعوت کا نمونہ ہے رطب و یابس جو کچھ میرے پاس
ہے سب اپنے پڑھنے والوں کے سامنے رکھے دیتا ہوں۔ علم کے دولتمندوں
کو اس سے فائدہ ہو کہ نہ ہو لیکن فقیر کی نیک نیتی اور خلوص ضرور ثابت ہے۔
جن چیزوں کا یقین مجھ کو ہے وہی دوسروں کے ذہن نشین کرانے کی کوشش
کرتا ہوں۔ لیکن مصنفین کی اسناد پیش کرتا ہوں - تحریر چھوڑ کر تقریر کی
بے تکلفی بہم پہنچاتا ہوں گویا آپ سے تنہائی میں مشورہ کرتا ہوں اور اپنے

دل کی بات کہہ کر آپ کے دل میں جگہ کرنا چاہتا ہوں۔ بقول میر تقی میر کے۔ پیچ کوئی لڑاؤں فند کروں۔ غرض صرف اس قدر کہ پڑھنے والا کچھنے والے کا ہمخیال ہو جائے۔ اگر ہمخیال نہ ہو تو کم سے کم اُن اُمور پر غور تو کرے جس کا خیال صرف سطحی طور پر ہوا کیا ہے۔

اس کتاب میں بہت سی انگریزی کتابوں سے مدد لی گئی ہے مگر زیادہ تر مطالب آئیوں بلاک جرمن مصنف کی سیکشول لائف آف اور ٹائم سے اخذ کیے گئے ہیں میں نے حتی الامکان بہت احتیاط سے لکھا ہے۔ اس لیے امید کہ لغزشیں بہ نظر عبرت دیکھی جائیں گی پھر بھی غلطی بشریت سے علحدہ نہیں کی جا سکتی۔

آخر میں ڈاکٹر گوبند پرشاد صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن سے تشریح الاعضا کے باب میں اچھی خاصی مدد ملی۔

ملک محمد شاہ علی صاحب مولوی اختر علی صاحب اور منشی حمید اشرف صاحب نے مسودات کی نقل میں وہ امداد کی کہ جس کے بغیر یہ کتاب اگر جلد طبع کی روشنی نہ دیکھتی تو تعجب نہ تھا۔

بابِ اوّل

قدرت کی حکمت کاملہ کو کہاں تک سراہیے اور کس کس چیز پر غور کیجئے فتبارک اللہ احسن الخالقین زبان پر جاری کیجئے تخلیق کے اصول کو لیجئے۔ جہاں تک سمجھ میں آتے ہیں قدرت کی اکملیت کی شہادت دیتے ہیں جہاں عقل کام نہیں دیتی وہاں اپنے نقص کا ثبوت مسلم ہو جاتا ہے اہل ارتقا کہتے ہیں کہ پہلے اختلاف جنس اس طرح سے نہ تھا جیسا کہ آج ہے۔ بجائے اس کے کہ ایک ہی نوع کے دو جنس ہوں اور وہ آپس میں ایک خاص صورت سے مل کر ایک تیسری چیز اپنے ہی مثل پیدا کریں۔ یہ ہوا کرتا تھا کہ ذی حیات خود ہی بڑھتا تھا اور اپنے سے ایک جزو علیحدہ کر دیتا تھا جو رفتہ رفتہ اسی کے مثل ہو جاتا تھا چنانچہ آج بھی بہت سی چیزوں میں وہ بھی دکھاتے ہیں۔ اور پودینہ وغیرہ کی مثالیں دے کر کہتے ہیں کہ اس میں نر اور مادہ نہیں ہوتے۔

بہتر قسم کے ذی حیات میں جنس ہونے لگیں کیونکہ قدرت کے حکم کے موافق ہر چیز زیادہ پیچ دار ہو کر اپنے کو تکمیل کے قریب لا رہی ہے اور افتراق جنس بھی اسی کا نمونہ ہے۔ حیوانی فرد کی زندگی کی شروعات کا تقریباً سب سے پہلا زینہ اس وقت سے مانا جاتا ہے جب مذکر کیڑہ مونث انڈے میں جاگزیں ہوتا ہے۔ اس کی کہانی بہت طولانی اور خارج از بحث ہے مگر اس میں شک نہیں کہ جہاں تک آگے بڑھتے جائیے کڑی سے کڑی ملتی جاتی ہے اور جوڑ کا توڑ بیٹھتا جاتا ہے۔ لیکن اگر شروعات کی طرف پلٹ جائیے تو دلائل عقلی قیاسی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

بہرحال اُن کا دعویٰ ہے کہ عورت کے ذرات ہوتے ہیں جو انڈے کہے جاتے

ہیں اور مرد کی منی میں کیڑے ہوتے ہیں۔ جو ان انڈوں کے اندر گھس کر بیٹھ رہتے ہیں
اور بڑھنا شروع ہوتے ہیں چونکہ مشاہدات میں سے ہیں لہٰذا اس سے انکار نہیں ہو سکتا
نہ انکار کی ضرورت معلوم ہوتی ہے قدرت نے یہ بھی انتظام کیا ہے کہ یہ کیڑے انڈوں
کے اندر پہنچ جائیں انسان کے دل میں خواہش نوع دی ہے اور حظ کا انعام بھی مقرر
کیا ہے اگر بجائے ان چیزوں کے بقائے عالم صرف خوف جہنم اور وعدہ فردا پر ہوتی
تو خدا کی خدائی کب کی ختم ہو چکتی یا صرف نیک بندوں کی اولادیں بستی ہوتیں جو
حکم خدا کو نہ دوزخ کے خوف سے بجا لاتے ہیں نہ بہشت کی لالچ سے بلکہ قربۃً الی اللہ
اور محض قربۃً الی اللہ سیل کئی اجزا رکھتا ہے اور نہ معلوم کتنی شکلیں اختیار کرتا ہے اس میں
ایک جز پراٹوپلازم ہوتی ہے جو ایک لسدار مادہ ہے ایک رنگین جال ہوتا ہے اسی کے
قریب ایک اور ذرہ ہوتا ہے جو تصویروں میں ایک کرن دار نقطہ کی طرح دکھایا جاتا ہے
یہ سل بیسیوں برن بدلتا ہے اور ہفت صد ہفتاد قالب دیکھا ہوا انسان کی صورت
پکڑتا ہے افسوس کہ ان چیزوں کے پلیٹ بغیر صرف کثیر کے پیش نہیں کیے جا سکتے
ورنہ باوجود کج مج زبانی کے مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آجاتا۔ ان سل کی تصویروں میں
دیکھا جاتا ہے کہ مذکر سل کے اندر سرخ رنگ کا جال ہوتا ہے اور مونث کے اندر اودے رنگ
کا ممکن ہے ایک زمانہ میں ان رنگوں کی بھی تحقیقی وجہ سمجھ میں آجائے۔ جس وقت تک
مذکر کیڑا انڈے تک نہیں پہونچتا انڈا اپنی جگہ پر ساکن رہتا ہے جس وقت کیڑا
پہونچ گیا اس وقت سے سکون ہیجان سے بدل گیا اور ایک طلاطم برپا ہوتا ہے۔
حکم تخلیق ذرے کو آگے بڑھا کر انڈے تک پہونچا دیتا ہے اسی گھڑی سے دوڑ دھوپ
فکر معاش کی ترقی شروع ہو جاتی ہے اس سے سبق یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ عورت
بجائے خود حرکت سے متنفر ہے گویا گھر کی بیٹھنے والی ہے اور مرد حرکت کرنے والا ہے
مرد عبارت ہے قوآموں سے اور عورت قاعدات سے جو لوگ مختلف رنگوں سے

علاج کرتے ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ دوران خون وغیرہ بڑھانے کے لیے اور اخلاط
کو ہیجان میں لانے کے لیے سرخ بوتل کا پانی دیتے ہیں اور اودے رنگ سے سکون
اطمینان حاصل کرنے کا کام لیتے ہیں اسی جگہ سے بقول ایک عالم جید کے ایک اور نکتہ
پیدا ہوتا ہی کہ تمام وہ کوششیں جو دونوں جنسوں کو برابر کرنے کی کی جاتی ہیں خلاف
فطرت ہیں۔ اگر دونوں کو ایک کر دیجئے تو گویا ایک تیسری جنس پیدا ہو جائے گی جو
بجائے خود دونوں کا کام کرے گی حالانکہ یہ از روئے ارتقا رجعت قہقری کہلائیگی
جو ترقی کے برخلاف ہی۔

مرد کی منی میں یہ کیڑے پائے جاتے ہیں عورت کے منی ہوتی ہی نہیں نہ اُس کو انزال
اس طرح ہوتا ہی جس طرح مرد کو۔ کمال حظ اور اخراج ذرات ذی روح مرد میں ساتھ ساتھ
ہیں۔ عورت میں یہ ذرے ایام کے ساتھ یا اکثر قبل آتے ہیں اور کچھ دن زندہ رہ کر مرجاتے
ہیں اس وجہ سے یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ فوراً ایام کے بعد استقرار حمل کی امید زیادہ
ہوتی ہی اور جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں یہ امید کم ہوتی جاتی ہے۔ حالانکہ ذرول
کا آنا اور ایام کا ہونا دو مختلف چیزیں ہیں۔ جو بغیر ایک دوسرے کے بھی موجود ہو سکتے
ہیں۔ جو لوگ اولاد کی کثرت سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ اُن کو بھی یہی صلاح دی جاتی
ہی کہ فوراً ایام کے بعد اپنی بی بی سے قربت نہ کرو۔ بلکہ دو ہفتہ کے بعد اس وقت بھی
لڑکا ہو جانا ممکن ہے اور کبھی کبھی ہو بھی جاتا ہی لیکن نسبتاً اس کا خوف کم رہتا ہی
بلاک نے صفحہ ۶۹۹ بسند فیکسٹیلو از روئے تجربہ استقرار حمل کا
حسب ذیل نقشہ دیا ہے۔

ماہواری کے آخری روز امید استقرار	۴۸ فیصدی ہوتی ہی
پاک ہونے کے بعد پہلے دن	۶۲ "
" " " نویں دن	۱۳ "

پاک ہونے کے بعد گیارہویں دن ۹ فیصدی ہوتی ہے۔
" " " تیرہویں دن "

حظ کا غزت الکمال عورت میں بھی ہوتا ہے اور کچھ رطوبات خارج بھی ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں زندگی کی کوئی نشانی نہیں پائی جاتی بلکہ برعکس اس کے اکثر ہلاکت کا ایک پہلو ہوتا ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر عورتیں ظاہرا بالکل تندرست ہیں لیکن لڑکا نہیں ہوتا ہے اس کے بہت سے وجوہ ہیں ایک یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اخراج رطوبت ایسی عورتوں کو زیادہ ہوتا رہتا ہے اور مجامعت میں جوش کی وجہ سے اور زیادہ ہوتی ہے اس مادہ میں ایک کھٹاس ہوتی ہے جو ذی روح کیڑوں کو مار ڈالتی ہے۔

میرے ایک دوست کے یہاں اولاد نہیں ہوتی تھی اور ظاہرا کوئی وجہ اس کی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اُن کو یہ صلاح دی کہ ان کی بی بی قربت کے وقت اپنا بدن پانی سے اچھی طرح سے دھو ڈالیں تاکہ جو رطوبت پہلے سے جمع ہورہی ہے وہ دُھل جائے اور صرف اتنی ہی دیر کی رطوبت سے ذی روح ذرات کو مقابلہ کرنا پڑے جو دوران مجامعت میں پیدا ہوں گے۔

اس ترکیب کے علاوہ کچھ اور ہدائتیں بھی تھیں جو میں نے ڈیوس کی کتاب موسومہ استقرار حمل بذریعہ آلات وغیرہ میں پڑھی تھیں بتائیں اس کے علاوہ وہ ڈاکٹری علاج کرواتے رہے۔ اب ماشاءاللہ وہ صاحب اولاد ہیں۔

ان تمام امور کو ذہن نشین کروانے کے لیے ضروری ہے کہ اعضاء کی ساخت کا اندازہ ہوجائے۔ فطرت کے صنائع سمجھنا اور اس کا بیان کرنا کوئی سہل کام نہیں اور جس نے علم تشریح کو بحیثیت ایک طالب علم کے نہ پڑھا ہو اُس کے لیئے اس کا لکھنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے اس کا سمجھنا کیونکہ اس میں پیچ ہیں اس کے اندر پیچ ہیں اس کے اندر چرخ اس کے اندر کمانی۔ بہرحال موٹی چھوٹی باتیں آگسٹ فارل کی کتاب "مسئلہ جنس"

سے اقتباس کرکے لکھے دیتا ہوں۔

مرد کے اعضائے تناسل میں پیشاب کی نالی اور انزال کی نالی از روئے کفایت ایک ہی رکھی گئی ہے اسی کے ساتھ خصیے بھی لگے ہیں جو آیندہ نسلوں کا ذخیرہ ہیں اور ایک اور دوسرا غدود بھی ہے جس کو اپیڈیڈیمس کہتے ہیں جو اس میں شامل ہے موخرالذکر اعضا کے اعصاب کے اندر لکھو کھا ذی روح کیڑے بھرے ہیں جن میں نہ معلوم کس کی قسمت میں دختر مہپارہ ہوتی ہے اور کس کی قسمت میں جوان صف شکن بہت سے ایسے بھی ہوں گے جو میلے رومال میں چمٹ کر گویا پیدا ہونے سے پہلے ہی داعی اجل کو لبیک کہیں گے یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں ایک ایسا ہو جو ان مشکل مسائل کے سمجھانے کی کوشش کرے اور ایک ایسا بھی ہو جو باوجود دماغ پر زور دینے کے نہ سمجھ سکے مگر اس میں کلام نہیں کہ:-

اے قطرۂ منی سر بیچارگی بنہ
کابلیس را غرور منی شرمسار کرد

یہ کیڑے فرداً فرداً دوسرے کیڑے حسب مادہ قدیم پیدا کرتے ہیں یہ کیڑے غدود کی نالی کے ساتھ میں جو دو تھیلیوں میں خالی ہوتی ہے ایک لعاب میں تیرا کرتے ہیں جس کا مجموعی نام منی ہے۔ اس کی ایک خاص بو ہوتی ہے۔ یہ غدود یا کیسے پیڑو کی ساخت میں مثانے کے پیچھے ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک نالی ہوتی ہے جو ذکر کے سوراخ کی جڑ میں جا کر مل جاتی ہے۔ اعضا تناسل میں اور بہت سے غدود ہیں جو رستے رہتے ہیں اور خالص منی یہاں پہونچ کر رطوبتوں کو بھی لے لیتی ہے جس مقام پر یہ دونوں سوراخ ذکر میں ملتے ہیں وہاں ایک ابھار سا ہوتا ہے اسی مقام سے وہ سوراخ پیڑو کے سے آگے بڑھ کر ذکر کی ساخت میں آجاتا ہے جو مجامعت کا جزو متحرک ہے۔

معمولاً اس سوراخ سے پیشاب ہوتا ہے اور انزال کا بھی یہی راستہ ہے

اس کے آگے حشفہ ہے سب سے زیادہ اچھنبے کا معاملہ اس کی کرختگی اور سطبری کا سامان
ہے ایک خاص اعصابی اشارے پر اس کا فربہ ہو جانا طویل ہو جانا اور سخت پڑ جانا خالی
از کمال صناعی نہیں۔ یہ صورت ذکر کے تین حصوں کے افعال سے بنتی ہے جن کو جوفدار یا
گدّھے دار اجسام کہتے ہیں ایک ان میں سے بیچ میں نیچے کی جانب ہوتا ہے جو دو ٹکڑوں
سے مل کر بنتا ہے اور سوراخ ذکر کو گھیرے رہتا ہے یہاں تک کہ وہ حشفہ تک پہونچ
جائے۔ دوسرے دو اجسام ذکر کے ادھر اُدھر قائم ہیں۔ یہ سب کے سب جوفدار
ہوتے ہیں جن میں خون کو جمع رکھنے کی قابلیت موجود ہے۔

یہ اجسام معمولاً خون سے خالی رہتے ہیں۔ ایک پیچ در پیچ قانون قدرت کے
روسے (جس کا عمل اجسام کو خون سے خالی کر دینا اور پھر پُر کر دیتا ہے) جس کو
شریانی ضابطہ کہہ سکتے ہیں۔ اعصابی چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے نعوذ کے وقت خون سے
بھر جاتے ہیں۔ اب یہ عضو اپنے کار مخصوص کے لئے طیار ہو جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان
غدود کے پر ہو جانے کی وجہ سے مثانے کا راستہ یعنی پیشاب کا منفذ بند ہو جاتا ہے
اور منی کی نالیاں سوراخ ذکر میں کھل جاتی ہیں کیونکہ اس کے بعد بار بار کی رگڑ سے
ایک پٹھے میں تشنجی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو منی کے کیسوں کو دباتی ہے اور اس سے منی ذکر
کے جوف سے نہایت تیزی سے نکل کر رحم یا مضافات رحم تک پہونچ جاتی ہے۔ یہ ایک
تذکرہ ہے جس سے اگر کوئی چاہے تو ثواب کا راستہ ڈھونڈھ سکتا ہے۔ اور اگر چاہے
تو عذاب کی بےراہ روی اختیار کر سکتا ہے۔ یہ صورت کئی طرح سے ظہور میں آتی ہے
ایک تو دماغی حرکت سے۔ دوسرے دل کی خواہش سے یہ دوسری صورت بھی دماغی
افعال پر موقوف ہوگی۔ تیسری صورت خود اعضا کے دیتے یا صرف مس ہونے سے
ہوتی ہے۔ اور یہ آخری کیفیت اکثر اوقات صحیح خواہش پر دلیل نہیں ہے۔

عورت کے مقام تو الدّتناسل میں پیشاب کا مقام حیض اور مجامعت کے مقام سے

علیحدہ ہوتا ہے پیشاب کا راستہ عورت میں طول میں بہت کم ہوتا ہے لیکن عریض ہوتا ہے
اس کا تعلق حسب قاعدہ عام مثانہ سے ہوتا ہے اسی سوراخ کے اوپر ایک عضو ہوتا ہے
جو مرد کے ذکر سے بہت سی باتوں میں ملتا جلتا ہے اور حکمار کا خیال ہے کہ یہی چیز ہے جو
مرد میں ترقی کر کے ذکر کہلایا چونکہ عورت میں دوسرے اعضا زیادہ تقویت پا گئے
اس لیے جنسیت قائم ہوتے وقت یہ چھوٹا ہو کر رہ گیا۔

ذکر کے حشفہ کی طرح سے یہ بھی بہت ذی حس ہوتا ہے اس کو عوام کی زبان میں نکو کہتے
ہیں نکو کے برابر ادھر ادھر دو کواڑ سے ہوتے ہیں جو فرج کے لب کہلاتے ہیں۔ ان کے اندر ایک اور
جوڑی ہوتی ہے جو چھوٹے لب کہلاتے ہیں۔ اُن کے بعد وہ راستہ ہوتا ہے جو رحم کی گردن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
اس تنگ نالی سے گزر کر رحم کی فضا ہے جس کے دوسرے جانب سے دو نالیاں
کھلی ہیں۔ جن کی راہ سے عورت کے انڈے رحم تک آتے ہیں یہ انڈے دو غدود
سے پیدا ہوتے ہیں جو رحم کے دونوں جانب اوپر کی طرف کچھ فاصلہ پر ہوتے ہیں۔ ان
اعضار کی تشریح بہت طولانی ہے اور ایک عالم علم تشریح اس کو بہت شرح و
بست کے ساتھ صفحوں میں لکھتا ہے لیکن میں نہیں لکھ سکتا جس چیز کو آپ خود نہیں سمجھتے
ہیں اس کو کیا سمجھائیے گا۔ یہ بھی علم دریاؤ ہے۔

کنواریوں کے پردہ بکارت ہوتا ہے یہ ایک لطیف جھلی ہلالی قطع کی رحم سے
آگے ہوتی ہے۔ پہلی مجامعت میں معمولاً ضائع ہو جاتی ہے کمسن لڑکیوں میں یہ اتنی کمزور
نہیں ہوتی جتنی زیادہ سن والی لڑکیوں میں اور یہ بھی سُنا گیا ہے کہ کبھی کبھی یہ بجائے
پھٹ جانے کے دیواروں سے چمٹ کر ذکر کو راستہ دے دیتی ہے اور پھر وضع حمل
کے وقت ضائع ہوتی ہے بعض عورتوں میں یہ اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ بغیر نشتر کی
مدد کے علیحدہ نہیں ہوتی۔ راقم سے ایک لیڈی ڈاکٹر نے بیان کیا کہ میں ابھی ابھی
ایک اپریشن اسی طرح کا کیے ہوئے آرہی ہوں یہ مریضہ اپنے شوہر کے کام ہی کی نہ تھی

ایسی حالت میں جہلا یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ عورت پوری طور سے عورت ہی نہیں ہے۔ اکثر عورتوں کے یہ پردہ اس قدر نازک ہوتا ہے کہ اونچے مقام سے نیچے اُترنے میں یا کسی اور طرح سے ضائع ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں کی شادی ابھی نہیں ہوئی ہے اُن کو خیال رکھنا چاہیے کہ صرف پردہ بکارت کا نہ ہونا بے عصمتی کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ مگر ڈاکٹر لائن اور ڈاکٹر واڈیل جن کے میڈیکل جورسپروڈینس ہندوستان میں رائج ہیں کہتے ہیں کہ پردہ بکارت بغیر مجامعت کے نہیں ضائع ہوتا ہے۔ لیکن بہت سی رائیں اس کے خلاف بھی ہیں۔ بعض مقامات پر ایک نہایت ہی بیہودہ رواج چادر کا معائنہ کرنے کا ہے اور جب خون نہیں ہوتا ہے تو کہلائی یا جو عورت ساتھ ہوتی ہے وہ مختلف جعل فریب اس معائنہ میں کرتی ہیں تعلیم یافتہ نوجوانوں کو چاہیے کہ اس قابل نفرت رسم کو مٹانے میں حصہ لیں اور جب ان کی شادی ہو تو خلوت کے راز کو معلوم عوام نہ ہونے دیں آگے چل کر انشاء اللہ رنڈیوں کی بابتہ بہت کچھ لکھوں گا اس جگہ پردہ بکارت کے بارہ میں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ان بدقسمتوں کے یہاں لڑکیوں کو وقت سے بہت پیشتر پیشہ میں جھونک دیتے ہیں تاکہ پردۂ بکارت زیادہ تکلیف سے پھٹے اور مُنہ کالا کرنے والے کو اس بدبخت کے باکرہ ہونے کا یقین ہو جائے اور قیمت پوری وصول ہو جائے اور روٹی کمانے کی راہ کھُل جائے۔ ایسے لوگوں کو نصیحت کرنا فضول ہے لیکن تاسف ضرور ہے کہ کاش کہ اس سیہ کاری کی ہزاروں برائیوں میں ایک یہی نہ ہوتی۔

عورتوں میں ایک نہایت اہم چیز حیض ہے۔ ہر چوتھے ہفتے جوان عورت کو چار یا پانچ دن خون آتا ہے بعض عورتوں میں کمی یا بیشی بھی ہو جاتی ہے جو نرم جھلی رحم کی سطح کو گھیرے رہتی ہے اس میں خون کے کیسوں کی بہت کثرت ہوتی ہے۔ بعض اعصابی خواص کی وجہ سے ان میں خون کی زیادتی ہو جاتی ہے اور چونکہ یہ جھلی

نہایت لطیف ہی اس میں سے چھن کر یہ خون جاری ہو جاتا ہے۔ اس کا ظاہری فائدہ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک نیا مہمان جو عنقریب آنیوالا ہے آرام سے اس جھلی سے چمٹ جائے یہ نیا مہمان وہی انڈا ہے جس میں مرد کا کیڑا گھس کر بیٹھ گیا یہ انڈے ہر مہینے میں ایک یا دو کبھی کبھی تین تک طیار ہو کر قازف نالیوں میں سے رحم میں آتے ہیں ان کا ملاپ جب ہونے والا ہوتا ہے تو اکثر قازف نالیوں ہی میں ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ رحم میں آکر ملاقات ہوتی ہے۔ جس وقت یہ مرادوں والا انڈا رحم کی جھلی سے چمٹ گیا اس وقت سے ایام بند ہو گئے اب یہی خون بچہ کی پرورش میں صرف ہو گا پھر دودھ بن کر بچہ کی غذا ہو گا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عام خیال کے موافق ایام کا ہونا بچہ رہنے کے لیے لازمی نہیں ہے کتابوں میں لکھا ہے کہ اکثر ایام نہیں ہوتے مگر یہ انڈے حسب معمول موجود ہوتے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ عورت لڑکوری بھی ہوتی ہے۔ گو کہ ایسا کم تر دیکھا جاتا ہے۔ عموماً یہی ہوتا ہے کہ ایام پہلے ہوں گے اس کے انڈے قازف نالیوں میں سے آئے۔ جب انڈے پیدا ہوتے ہیں تو وہ بیرونی عضو جس کو نکوا کہتے ہیں نسبتاً سخت ہو جاتا ہے گویا عورت کے گرم ہونے کی فصل آگئی جس طرح جانوروں میں سال میں ایک مرتبہ یہ فصل آتی ہے اسی طرح انسان میں بارہ مرتبہ سال میں یہی واقعہ ہوتا ہے جب ایام پہلے پہل شروع ہوتے ہیں تو تھوڑے زمانہ تک بے قاعدہ ہوتے ہیں اور اس کے بعد ہر عورت کے مزاج کے موافق ایک قاعدہ مضبوط ہو جاتا ہے عموماً تیرہ چودہ پندرہ برس کے سن سے یہ بات شروع ہوتی ہے اور پینتالیس ۴۵ سے پچپن ۵۵ برس کے اندر ایام کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے اور پھر عورت بار آور نہیں ہوتی گویا پھول اپنی خوشبو کا خزانہ لٹا چکے اور کھلانے کا زمانہ آگیا ایام سرد ممالک میں بہ نسبت گرم ممالک کے دیر میں ہوتے ہیں اس جگہ ایک امر اور عرض کر دوں جو خالی از تعجب نہیں یعنی مردوں میں بھی ایک حالت ایام کی سی

ہوتی ہی۔ فرق اس قدر ہوتا ہی کہ برخلاف عورتوں کے مردوں کا یہ زمانہ سکون اور جنسی خواہشات سے بے پروائی کا ہوتا ہے۔ اور چونکہ خون وغیرہ جاری نہیں ہوتا اس لیے لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا تجربہ ہے کہ بعض مردوں کو کبھی کبھی تھوڑے دنوں کے لیے جنسی باتوں کی خواہش کم ہوجاتی ہے یہی زمانہ مردوں کے حیض کا کہلاتا ہی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل اول

خداوند تعالیٰ کے دینے کے ہزار ہاتھ ہیں اور فطرت کے اپنا حکم جاری وساری کرنے کے ہزار طریقے ہیں خواہش توع اور انعام حظ کا ذکر اوپر آچکا ہی اس کے علاوہ اور بھی ذرائع ہیں جن سے فطرت اپنا نظم ونسق قائم رکھتی ہی۔ حواس خمسہ ظاہری علاوہ اور کاموں کے توالد اور تناسل میں بھی بہت بڑا حصہ لیتے ہیں آنکھ کی خدمات شاعر نے اس قدر بیان کر دی ہیں کہ وہ اب میری تعریف کے محتاج نہیں ہیں۔

مس کے اثرات "جو کم وبیش تقریباً تمام جسم میں موجود ہیں" بھی ظاہر ہیں۔ آٹو وائننگر ایک جرمن مصنف ہی اس کا خیال ہی کہ شہوت مرد کے تمام اعضا میں اس طرح نہیں ہی جس طرح عورت کے۔ یہ جو واقعہ بھی ہو اس سے گریز نہیں مرد کو بھی اس میں اچھا خاصہ حصہ ملا ہی۔ کون نہیں جانتا کہ چھونے سے تمام جسم میں ایک برقی قوت سی دوڑ جاتی ہی اور فطرت کا کوڑا اپنا کام کرتا ہی اسی طرح کان سے بھی ایک تار مرکز تناسل کو لگا ہی انسان کا گانا چڑیوں کا چہچہانا سب اسی غرض سے ہے میرا یہ مطلب نہیں کہ موسیقی کا صرف یہی کام ہی بلکہ عرض کرنے کا مدعا یہ ہی کہ آواز بھی اس قوت کو مخاطب کرتی ہے اور موسیقی عبارت ہی آواز پر پورا قبضہ حاصل کرکے اس سے بہترین کام لینے سے حسیات میں شامہ کا بھی بہت بڑا حصہ ہی۔ نباتات سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی جن میں خوشبو اسی غرض سے ہوتی ہے جانور بھی اس سے خالی نہیں بچہ دینے کی فصل میں بدبو اور زیادہ ہو جاتی ہی اور سونگھنے سے ان کو جو مدد ملتی ہے وہ ہر شخص کے مشاہدے میں ہی بکرے یا دوسرے جانور اس عمل کی تصدیق کرتے ہیں۔

اہل ارتقا کا خیال ہے کہ انسان کے تمام جسم پر بال تھے اور حسب رائے مختلف حکما، مختلف وجوہ سے اب صرف خصوصیت کے ساتھ جسم کے چند حصوں

میں رہ گئے ہیں اسی وجہ سے انسان کے جسم سے بو بھی کم ہو گئی ہے لیکن اب بھی کچھ باقی ہے اور انسان اسی قدیم عادت کے موافق لمبی سانس لے کر شامہ کے ذریعہ سے اپنی مخصوص قوتوں کو تقویت دیتا ہے۔ امریکہ کے ایک مشہور ڈاکٹر جے ڈیوس نے اپنی تصنیف میں ذکر کیا ہے کہ قلت شہوت کا باعث اکثر چھوٹے نتھنے اور قوت شامہ کی کمزوری ہوتی ہے چنانچہ اس کا عمل جراحی بھی ہوتا ہے جو فائدہ بخش سمجھا جاتا ہے مرکز فراخ ہوتا ہے تو خوشبو زیادہ آتی ہے اور جب خوشبو زیادہ آتی ہے تو عضو خاص میں خون کی زیادتی ہوتی ہے جو اس کے حجم کو لازمی زیادہ کرے گی عورت کے اندام نہانی پر جو بال ہیں اُس کے بابت حکمار کا یہ خیال ہے کہ علاوہ حفاظت کے اغراض کی ایک غرض یہ بھی پوری ہوتی ہے کہ وہ خوشبو کو روکے رکھتے ہیں۔ اور تتلی کے پردں کی طرح جس میں اسی غرض سے خوشبو کے ذرات دیے گئے ہیں مذکر کی قوت شامہ کی خدمتی ہیں۔ اس ملک میں بھی یہ خیال ہے اور اکثر لوگ دوسروں کے پہنے ہوئے کپڑے سونگھ کر دل کی طپش کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔ آتش مرحوم لکھتے ہیں۔ ؎

مری طرف سے صبا کہیو میرے یوسف سے نکل چلی ہے بہت پیرہن سے بو تیری

انسان میں بغل کے نیچے بھی بال ہوتے ہیں لوگوں کا خیال ہے کہ ان سے بھی وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ فرانس کی پیشہ ور عورتیں خاص طریقہ اختیار کر کے بغل کی بو سے اس لیے اپنے گاہکوں کو خوش کرتی ہیں۔ عطریات کے رواج کی بھی یہی وجہ ہے اکثر چیزیں مثل مشک اور عنبر وغیرہ کے اپنی اصلیت کی وجہ سے شہوت انگیزی کا خاصہ رکھتی ہیں نباتات میں بھی یہ صفت موجود ہے چند مخصوص خوشبوئیں جو دولہن استعمال کرتی ہے خاص ایسے ہی اجزا سے مرکب ہوتی ہیں یورپ میں بھی ایسے مرکب خوشبوؤں کا استعمال ہوتا ہے اور مختلف طبقے کے لوگ

مختلف طرح کی خصوصیات کے عطریات استعمال کرتے ہیں یعنی جیسی خوشبوئیں رنڈیاں استعمال کرتی ہیں وہ شریف زادیاں یا مسن عورتوں کے رومال اور بنڈوں میں مشکل سے پایئے گا۔

ایک وجہ بالوں کے کم ہونے کی یہ بھی بیان کی جاتی ہے جو قرین قیاس بھی ہے کہ انسان اور حیوان میں دماغ کا فرق ہو جانے کی وجہ سے فطرت کو ہر چیز میں کفایت شعاری کرنی پڑتی ہے تاکہ اقتصاد بگڑنے نہ پائے اور جہاں سے انسان کی دم غائب ہو گئی دودھ پلانے کی خدمت صرف عورتوں کے پاس رہ گئی کان وغیرہ چھوٹے ہو گئے وہاں سے بالوں کی کثرت بھی معرض تخفیف میں آگئی۔ بالوں کے کم ہونے سے صاف بات ہے کہ حس کو ترقی ہوئی۔ مضامین کی کثرت لکھنے والے میں قوت تحریر کی قلت اور اسی وجہ سے پڑھنے والوں میں ضبط و تحمل کی بھی قلت مانع ہے۔ ورنہ اگر صرف اس موضوع پر صرف چند کتابوں سے پورا پورا اقتباس کیا جائے۔ تو کتاب دُگنی ہو کر یہیں ختم ہو جائے میں عرض کر رہا تھا کہ بالوں کی صفائی سے جلد نکل آئی اور حس کو وسعت ملی یوں تو حس ہر مقام پر ہے لیکن چند اعضاء بالخصوص ذی حس واقع ہوئے ہیں۔ اعضائے تناسل کی ساخت ظاہر کرتی ہے کہ اس میں حس زیادہ ہے۔ ان کے علاوہ انگلیاں ہیں۔ لب ہیں جن کا ملنا دل کی کلی کھلاتا ہے سوا ان کے چند وہ اعضاء ہیں۔ جو اعضاء تناسل ثانیہ سے تعبیر کیے جاسکتے ہیں۔ عورتوں کی چھاتیاں اور ایک حد تک مردوں کی بھی چھاتیاں عنفوان میں مرد کے غدود سینہ بھی بھر جاتے ہیں اور دبانے سے درد ہوتا ہے گویا یہ وہ پرانی یاد ہے جو تازہ ہو جاتی ہے جب ہم آپ بھی سلامتی سے بچوں کو دودھ پلاتے تھے۔ بہرحال حس کے اوپر مجھ کو زیادہ لکھنا نہیں ہے اور بوسے کی یاد دلا کر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

بوسہ کچھ انسان کی خصوصیت نہیں جانور بھی اس مزے سے واقف ہیں لیکن

دماغ نہ ہونے کی وجہ سے ان کا بوسہ صرف بوسہ ہی لیکن انسان میں یہی بوسہ عجب چیز ہو گیا ہی۔ نہ معلوم کیا کیفیتیں اس میں سما گئی ہیں بوسہ محبت اور پیار کا سب سے بڑا گواہ ہی اور محبت اور پیار کے ضمن میں شوپنہور کیا خوب فرماتا ہی۔ کہ جذبۂ شہوت انسان میں آکر محبت اور پیار کے خلعت سے معزز ہوا اور ارادہ کے اوپر عقل کی فتحمندی کا سب سے بڑا ثبوت ہاتھ آیا جو فرق انسانی اور حیوانی اتحاد میں ہی وہ زمین اور آسمان کا فرق ہی۔ جانوروں میں مجامعت کے بعد صرف ایک خفیف سا تعلق رہ جاتا ہی جو بچوں کے پروان چڑھتے چڑھتے غائب ہو جاتا ہی یا بچہ دینے کی فصل ہی کے ساتھ رخصت ہو جاتا ہی۔ اعلیٰ ترین جانوروں میں البتہ دیکھا گیا ہی کہ یہ تعلق خانہ داری کی حد تک پہنچ گیا ہی چنانچہ بعض قسم کے بندروں میں دیکھا گیا ہی کہ اُن کے مسکنوں میں مختلف جھول کے بچے بھی۔ بڈھی بڈھے کے ساتھ رہتے ہیں اور گھر کا مالک ایک طرح کی حکومت بھی رکھتا ہی اس کے جو وجوہ ہوں مگر یہ عقلیت نہیں کہی جا سکتی۔ برخلاف اس کے ہمارے یہاں یہی چیز ایک شیرازہ بند نعمت ہو گئی ہی جس سے انسان انسان کہلانے کے قابل ہوا۔ اور عشق مجازی کا زینہ طے کر کے عشق حقیقی تک پہونچا۔ جیسا کہ دیباچہ میں عرض کیا گیا ہی اس کتاب کے لکھنے کی غرض یہی ہی کہ آوارہ مزاج اشخاص کی زندگی کچھ بہتر ہو جائے اور مستقل مزاج اشخاص کا استقلال زیادہ ہو جائے بارالٰہا میری زبان میں اثر دے اور میری دعا کو باب اجابت پر بار دے حیف ہی کہ انسان باوجود نعمت عقل کے جانور سے بھی بدتر ہو کر رہ جائے کیونکہ جانور باوجود فقدان عقل کے سوزاک آتشک جریان نامردی میں گناہ کی راہ سے مبتلا نہیں ہوتے۔

خواہش اتحاد کے اصول ثانیہ میں شرم بھی ہی اس کی بابت لوگوں کا خیال ہی کہ یہ قدرتی چیز نہیں ہی بلکہ تہذیب کے ساتھ دنیا میں آئی ہی۔ جارج سیمل کا قول ہی کہ شرم ایک کوشش ہی جس سے انسان اپنی فردیت کو ممتاز کرنا چاہتا ہے۔

ہولاک ایلس کا خیال ہے کہ شرم کی شروعات عورت سے ہوئی اور پہلی غرض اسکی یہ تھی کہ مادہ اپنے اعضا تناسل کی حفاظت ناوقت حملوں سے کرسکے۔

اگر ہولاک ایلس کا یہ قول صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ شرم اگر قدرتی نہیں تو اس کے لگ بھگ ضرور ہے واقعہ جو ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ شرم ایک عمدہ جذبہ ہے جس سے احتراز اور اتحاد دونوں کے فائدے نکلتے ہیں اور کسی چیز کی عمدگی کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ وہ چیز ہر دو پہلو سے فائدہ رساں ہو جیسے بچہ کا دودھ پینا ہے جو ایک ہی وقت میں ماں اور بچہ کو آرام بھی دیتا ہے اور اُن کی تکلیف بھی دور کرتا ہے۔ شرم کے نفس جذبہ کی وجہ سے نہ صرف عورت اپنے مقامات مخصوصہ کی حفاظت ہی کر لیتی ہے بلکہ اس حرکت سے مرد کی رغبت کو بھی بڑھاتی ہے اور دونوں کے لیے ایک طرح کار آمد ہے۔ لامبروسو نامے عالم کا قول ہے کہ شرم کی وجہ علاوہ حفاظت کے ایک اور بھی پہلو ہے وہ یہ کہ بعض حالتیں ایسی ہوتی ہیں جب عورت کے مخصوص اعضا ایک نفرت پیدا کرتے ہیں ان اوقات پر ان کو چھپائے رکھنا ضروری ہے اور شرم اس کام بھی آتی ہے۔ جو لوگ شرم کو قدرتی نہیں مانتے وہ مثال میں تمام وحشی اقوام کو پیش کرتے ہیں جو کپڑا نہیں پہنتے اور اعضا تناسل کو نہیں چھپاتے۔ جنوبی امریکہ کیوں جائیے خود ہندوستان میں ایسی قومیں مثل ناگا وغیرہ کے موجود ہیں کچھ قومیں ایسی ہیں جو اپنے اعضا تناسل کو ہمیشہ کھلے رہنے دیتی ہیں علاوہ اُن زمانوں کے جب اُن کے خیال میں دوسری جنس سے تعلق کرنے کی فصل ہوتی ہے اور اُس وقت وہ ان کو خوبصورتی کے ساتھ کپڑا پہناتے ہیں تاکہ دوسرے جنس کی نظر میں کھُب جائیں اور اُن کا خیال اس طرح مستقل ہو جائے۔ بارنارڈشا کا قول ہے کہ ایسے ننگی بت جن پر حسب سنت آدم ایک انجیر کی پتی شرمگاہ کو چھپائے رہتی ہے کہیں زیادہ شہوت انگیز ہیں بہ نسبت ان بتوں کے جن میں یہ اوچھاپن نہیں ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ بچوں کو ننگا دیکھ کر وہ خیالات نہیں آتے

جو کسی ایسے کو دیکھ کر آتے ہیں جو اعضائے تناسل اُٹھائے یا اعضائے تناسل ثمانیہ کو چھپانے کے لیے آپ کی آنکھوں کے سامنے خاص اہتمام کرتا ہے کپڑوں کی ایجاد موسمی تکالیف سے بچنے کے لیے کی گئی تھی لیکن رفتہ رفتہ اس میں اور بہت سے اغراض شامل ہو گئے۔ عورتوں کے کپڑے تقریباً ہر ملک میں ایسے ہو گئے ہیں جن سے جنسی فوائد حاصل ہوں۔ کارسٹ جس سے انگریزنوں کی کمر اس قدر پتلی معلوم ہوتی ہے عیسائی خانقاہ نشینوں کی ایجاد ہے جو بطور سینہ بند کے استعمال کیا جاتا تھا تاکہ عورتوں کے سینہ کا ابھار کم معلوم ہو گریہ ایک دلیل شرم کی مانی جائے تو جو نتیجہ کارسٹ کا آخر کو ہوا وہ حیا پروری سے کوسوں دور ہے یعنی یہ سینہ سے کھسک کر ناف پر آگیا جس سے نہ صرف سینہ کا ابھار ظاہر ہو گیا بلکہ کمر کولے کا چڑھاؤ اُتار گات کی گولائی طبیعت کو گدگدانے لگی یہ وہ نتیجہ ہے جو ستر کے پردے میں ملبوس کا بعض ممالک میں ہوا۔ لکھنؤ میں بھی نصیر الدین حیدر بہادر کے وقت سے زنانے کپڑوں میں ایسی ترمیمیں ہوئیں جو حیا کو نتی سے دور جا پڑی تھیں یا پائینچے یورپ کی عورتوں کے تتبع میں بڑے کیے گئے پیٹرو اور کمر کے پاس تنگی اس قدر زیادہ کی گئی کہ پائینچے والوں کی جان ضیق میں آگئی مگر واہ رے خواہش دلاویزی یہ سب قبول ہوا۔

ایک جرمن صاحب سی۔ ایچ اسٹرانہ نامی عورتوں کے ملبوس پر ایک کتاب لکھتے ہیں جس میں فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کپڑے اس غرض سے پہننے کا حکم دیا تھا کہ جنسی چیزوں کی خواہش ان کی امت میں زیادہ ہو اور اسی طرح آبادی ترقی کرے جس کی ضرورت سخت تھی اس کے بعد افسوس کرتے ہیں کہ قانون رہ گیا اور شارع علیہ السلام قانون کی اصلی غرض بتانے کے لیے نہ رہ گئے۔ اور عیسائیوں نے نادانی سے عریانی کو گناہ قرار دے دیا۔
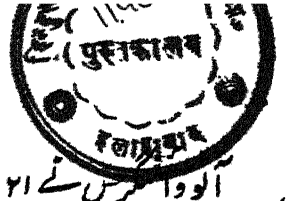
آلو وا [illegible] نے ۲۱ برس کے سن میں ایک کتاب لکھی جو کار نامہ ہے (سکس اینڈ کارکٹر) اور ۲۳ برس کے سن میں خودکشی کرکے اپنے وطن چلا گیا عورتوں کی حیا کے بارے میں لکھتا ہے کہ اس صنف کو حیا و شرم کی ہوا نہیں لگی ہے جو کچھ ہوتا ہے کسی غرض سے ہوتا ہے اور غرض دوسری جنس کے شکار کرنے کی واسطے ہوتی ہے اس کا اعتراض ہے کہ اگر عورتوں میں شرم واقعی کوئی چیز ہے تو پھر یہ کیونکر ممکن ہوا کہ آج تک آدھی گردن تک کپڑا پہننے کا فیشن تھا تو عورت کا اگر سب سے اوپر کا تکمہ کھل گیا تو وہ عرق حیا میں غرق ہو گئی اور کل اگر فیشن نے حکم دیا کہ بند قبا واکردو تو آدھا سینہ کھل جانے پر بھی آنکھ نیچی نہ ہوئی۔ مصنف آنجہانی کے فیصلے عورتوں کے مقابلے میں ایسے دو ٹوک نہیں ہوئے جن میں دونوں پہلوؤں کا خیال برابر ہو لیکن اگر غور کیجئے تو اس کا قول بالکل پا در ہوا نہیں ہے جس قدر فیشن یورپ میں بدلتے ہیں اس قدر ایشیا میں نہیں بدلتے مگر پھر بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی فیشن بدلتے ہیں تو عورتیں اُس کو قبول کر لیتی ہیں اور تیوریوں پر میل نہیں آتا۔ پرانے زمانے کی چادریں اگر نہ رہیں تو مہین ململ کا دوپٹہ اسی آن سے اوڑھا گیا۔ اگر کیچلی کے کرتے نکلے تو اس کی پرواہ نہ کی گئی کہ محرم جھلکیں گی۔ ڈھیلے پائجامے جو اکثر مغل اسکول کی تصویروں میں دیکھے جاتے ہیں چلے گئے اور نئی تراشں کے کھٹنے آ گئے جن کی دلآویزی محتاج بیان نہیں۔

بلاک اور نیز دوسرے علماء کے خیال کے موافق کپڑوں میں ترمیمیں اور فیشن کی شروعات رنڈیوں سے ہوئی ہے ہندوستان میں بھی دیکھا گیا ہے کہ عورتوں کا وہ گروہ جن کا پیشہ مرد کو لبھاتا ہے کپڑوں میں دوسری عورتوں سے زیادہ ترمیمیں کیا کرتی ہیں اور شریف زادیاں بھی ایک زمانے بعد قبول کر لیتی ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو جس چیز کی بنا بے حیائی پر ہوئی ہو وہ حیا کی دلیل کیونکر ہو سکتی ہے ایک

امر ایسا مسلم ہی جس پر بہت کم اختلاف ہی اور وہ یہ ہی کہ عورت میں حسیت مرد سے کہیں
زیادہ ہی۔ مرد لڑتا ہی سوداگری کرتا ہی فتح کرتا ہی اور ہار جاتا ہی لیکن عورت صرف
مرد کے اوپر قربانی کرتی ہی اور اگر کوئی بدبخت نہیں کر سکتی ہے تو وہ زیب النسار
کی طرح روتی ہے۔

.... اس خیال کے بعد مجبوراً لکھنا پڑتا ہی کہ عورت میں نہ
شرم ہی نہ بے شرمی اُس کی غرض جن چیزوں سے پوری ہو وہی اُس کو پسند
ہیں۔ آپ کا دل چاہے اُن کو شرم کے نام سے تعبیر کیجئے خواہ بے شرمی کہئے۔

ایک امر البتہ ایسا ہی جس میں اکثر مصنفین صنف نازک کو مرد سے بہتر بتاتے ہیں
وہ یہ کہ دوسری جنس کو عریاں دیکھ کر اس کو نفرت ہی ہوتی ہی۔ اکثر بیہودہ مرد یہ
خیال کرتے ہیں کہ جس طرح وہ عورت کا ستر اتفاقیہ دیکھ کر مشتعل ہو جاتے ہیں عورت
بھی مرد کو ننگا دیکھ کر راضی ہو جائے گی یہ خیال بالکل غلط ہی اس کی وجہ از روئے
نفسیات جو ہو مگر اس میں شک نہیں کہ ایسی حالتوں میں عورت کا سوا رجذبہ نفرت کے اور
کوئی جذبہ نہیں ابھرتا ہی یورپ میں ایک قسم کے نیم بیمار نیم دیوانے اور فطرتاً بے حیا
لوگ ہوتے ہیں۔ جن کو ایگزبیشنسٹ کہتے ہیں یہ کمبخت لوگ جب موقعہ پاتے ہیں تو
اپنے گدھے پن کی وجہ سے عورتوں کے سامنے کپڑے اُتارنا شروع کر دیتے ہیں
اور ان کو خود اس حرکت میں بقول انھیں لوگوں کے ایک طرح کا حظ بھی آتا ہے مگر
اس سے سوا نفرت کے عورتوں میں کوئی رغبت کبھی نہیں پیدا ہوتی چونکہ یہ عارضہ
بحمد اللہ یہاں نہیں ہی اس لیے میں ایک کتاب کا بھی حوالہ دیے دیتا ہوں (ہمارے
زمانہ کی حیات جنسی مصنفہ آئی ون بلاک صفحہ ۶۴۹ لغایتہ ۶۵۳) یہ ایک بیماری
ہی جو صرع سے ظاہرا تعلق رکھتی ہی اس کتاب میں ایک بیمار نے اپنا حال لکھا ہی جو ہمیشہ
اس کے بعد اپنی طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر استمنا بھی کرتا تھا۔

اسی ضمن میں دو سطریں رشک کے اوپر بھی لکھ کر اس باب کو ختم کرتا ہوں رشک کا جذبہ جانوروں میں بھی پایا جاتا ہی اور انسان میں بھی گو کہ مختلف موقعوں پر مثلاً کھانے پینے کے معاملات میں یا دوسری خواہشوں کے سلسلے میں دیکھا جاتا ہی مگر اس کا پورا اظہار جنس ہی کے مقابلہ میں ہوتا ہی اگر غور کیجئے تو یہ جذبہ تقریباً غصہ اور رنج سے مرکب نکلے گا عموماً حکما ر کا خیال ہی کہ شروع شروع یہ کیفیت زبردست میں پیدا ہوئی ہوگی لیکن ڈاکٹر سیرا جو نٹشے کے روحانی شاگردوں میں ہے اس کا خیال ہی کہ یہ کمزور کا حربہ ہی کیونکہ زبردست دوسروں کے مال میں شرکت کر لیتا ہی اور اپنی چیز بچا سکتا ہی پھر اس کو رشک کا ہیکو ہونے لگا۔ اگر صورت اوّل مانی جائے تو یہ مرد کی ایجاد قرار پائے گی اگر دوسری صورت زیادہ قرین قیاس ٹھہری تو ماننا پڑے گا کہ اس کی ترقی کا باعث عورتیں ہوئی ہونگی کیونکہ ہزاروں ہزاروں برس کی عادت کی وجہ سے قوت اور زبردستی کے کام عورتوں سے منسوب نہیں کیے جا سکتے۔

فصل دویم

علمائے محققین کے خیال میں رنڈیوں کی شروعات اسی طرح سے ہوئی ہی جس طرح ولی کے پیٹ میں شیطان ہوتا ہی یعنی عبادت میں جب روحانیت مادہ پرستی سے بدل گئی عبادت کرنے والوں کی صفوں میں گنہگار دکھائی دینے لگے۔ قدیم بابل میں مندروں میں جاکر عورتیں اولاد مانگتی تھیں جیسا پیر فقیر کے مزاروں پر درگاہوں میں امام باڑوں مندروں میں آپ کے یہاں بھی ہوتا ہی رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ اعتقاد نے عمل کی صورت پکڑی اور اولاد کی خواہشمند عورتیں مندر میں صف بصف جمع ہونے لگیں اور بجائے دیوتاؤں کے انسانوں سے لڑکے مانگنے لگیں۔

ہیروڈوٹس کا بیان ہی کہ مردان صفوں کے سامنے سے گزرتے تھے اور جس کو پسند کرتے تھے اس کی گود میں ایک چاندی کا سکہ ڈال دیتے تھے اور کہتے تھے "دیبی تجھ کو آباد کریں" اس کے بعد وہ عورت اُس مرد کے ساتھ چلی جاتی تھی اکثر امرازادیاں بڑی شان و شوکت سے آتی تھیں غریب بیچاریاں جوتی چٹخاتی آتی تھیں خوبصورت مانگی مراد جلد پاتی تھیں بدصورت آس لگائے برسوں بیٹھی رہتی تھیں۔ یہ بُرا نہیں سمجھا جاتا تھا اور وہ روپیہ مندر کے صرف کے لیے رکھ لیا جاتا تھا۔ یہی مادہ پرستی کا کھیل ہی۔ جو آج بھی بھیس بدلے ہوئے دکھائی دیتا ہی یہ رسم کچھ بابل کے اوپر موقوف نہیں تھی بلکہ مصر، روم (کاری فی تھین) لوگوں میں سائپرس میں ہندوستان کی مرلیوں میں، ہر جگہ پائی جاتی تھی۔ جاپان میں آج بھی کی جاتی ہی۔

ہولاگ ایلس۔ لٹارنو۔ والیٹرام گیلیکن وغیرہم کی کتابیں اس سے بھری

پڑی ہیں۔ جب مادہ پرستی نے اور قوت پکڑی تو بنی نوع انسان کے بدگوشت
یعنی رنڈیوں کی زیادہ ترقی ہوئی اور بیسویں صدی عیسوی میں یہ کمال بہم پہونچا
کہ امریکن گورنمنٹ نے ایک نہایت ہی لائق فائق آدمی کو سلطنت کی طرف سے
مقرر کیا کہ اس مہلک عارضہ کی پوری تحقیقات کرے فلیکسنر کی کتاب موجود ہی
جن صاحب کا دل چاہے پڑھ لیں۔ اور اگر ہندوستان میں رہ کر اُن کی سمجھ میں
نہ آتا ہو کہ انسان انسان کو نیک نیتی کے ساتھ ٹھنڈے کلیجے اس طرح قعر مذلت
میں ڈال کر کیونکر سمجھتا ہی کہ میں نے اپنا فرض منصبی ادا کیا تو متذکرہ بالا کتاب میں
رجسٹرڈ اور ان رجسٹرڈ کمانے والوں کا باضابطہ احوال پڑھ لیں اور عبرت
کریں۔

رنڈیوں کی ضرورت ایسے ملکوں میں جہاں تعدد ازواج جائز ہی نہیں ہوتی
اور اسی وجہ سے ایسے ممالک میں زناکار عورتوں کے ساتھ قانون سختی سے برتاؤ
کرتا ہی۔ البتہ اُن ملکوں میں جہاں ظاہر بظاہر صرف ایک بی بی ہو سکتی ہی یا جہاں
سوداگری وغیرہ کی ضرورتوں سے اغیار زیادہ جمع ہوتے ہیں ہر قسم کی گنہگاری
کے آڑھتیے دلال اکٹھا ہو جاتے ہیں اور سامان سیہ کاری ہر نمونے کا تھوک فروشی
اور خوردہ فروشی کے لیے مہیا ہوتا ہی۔ آپ فرمائیں گے۔ ہندوستان قدیم کے
اصول زندگی میں بیرونی دنیا سے بے تعلقی رکھی گئی تھی۔ پھر یہاں کیوں رنڈیاں
ہوئیں (قدیم تاریخیں درباروں وغیرہ میں رنڈیوں کا ذکر کرتی ہیں)

اس کے جواب میں مجھے صرف یہ عرض کرنا ہی زنان بازاری جن معنوں میں
یورپ میں مشہور ہیں یا جن معنوں ہیں یہ ہندوستان میں آج کل پیدا ہو رہی ہیں
اس ملک کی اصل کسبیوں سے بالکل مختلف ہیں جیسا کہ خود لفظ کسبی سے ظاہر
ہوتا ہی جس کا مفہوم "پیشہ ور" ہی ہولاک ایلس نے ایک جلیل القدر مصنف

کا قول نقل کیا ہے اور ڈاکٹر ایم گلیلن نے دعویٰ بھی کیا ہے کہ ہندوستان قدیم اور نیز ہندوستان جدید کے دامن پر نسبتاً یہ دھبہ نہ ایسا گہرا سیاہ ہے نہ اس قدر متعفن گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ نوجوانوں کا ناصح مشفق بن کر بیٹھا ہوں۔ کہ وہ پاکبازی کی زندگی بسر کریں اور ہندوستانی رنڈیوں کی قصہ خوانی کرتا ہوں کانپا جاتا ہوں کہ کہیں ایسی لغزش نہ ہو جائے کہ بجائے فائدہ کے نقصان کا سامنا ہو۔ لیکن میری نیت نیک ہے اور میں اپنے خدا سے توفیق مانگتا ہوں کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے دکھا سکوں تا کہ ظاہر ہو جائے کہ غریب ہندوستان کی برائیاں دوسرے مقامات کی برائیوں سے گو کم گہری ہیں، پھر بھی چو آب از سر گزشت چہ یک نیزہ و چہ یک دست آدمی کو ڈبونے کے لیے ویسی ہی ہماری ہیں جیسے ان سے زیادہ عمیق برائیاں۔ ہندوستان میں برخلاف دیگر ممالک کے رنڈی کی بھی ایک قوم ہے جن کی پشتینی روایات ہیں جو ہر فرد کی مطمح نظر ہیں۔ یورپ میں کوئی مولود ایسا نہیں ہوتا جس کی نسبت یہ کہا جا سکے کہ آج ایک خوبصورت رنڈی پیدا ہوئی یا آج ایک بھڑوا پیدا ہوا جو لوگ اس پیشے میں ہیں وہ اس وجہ سے نہیں ہیں کہ ان کو اپنی نانی دادی کی طرح اونچی رنڈی ہونے کی ہوس ہو بلکہ وہ تقدیر کا لکھا پورا کرتی ہیں۔ لڑکپن یا الھڑ جوانی کے زمانے کی بدقسمتی بری صحبت یا ماں باپ کی غلطیوں کا بھرنا بھرتی ہیں اور اپنے پیشہ پر ناز نہیں کر سکتیں۔

(یورپ میں بگڑ جانے کے بڑے اسباب میں نوکری بھی بیان کی جاتی ہے)

ہر شخص ان کو ذلیل نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان سے دامن بچا کر چلتا ہے۔ چونکہ سوا بری عادتوں کے یا کھانے پینے کی ضرورتوں کے اور کوئی تقاضا مثل نام آوری یا خاندانی روایات کو برقرار رکھنے کا نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کے افعال کردار حرکات۔ سکنات۔ خیالات۔ ہر چیز میں انسان کی خواری اور تباہی کی تصویر نظر

آتی ہے وہاں ایک ہی عورت کے نہ معلوم کتنے پیشے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ایک ہی عورت آج "پھٹے کپڑوں میں خنداں مثل گل ہے" اس وجہ سے کہ عصمت کی بہار بجز اس کے پاس ہے اور کل اس کی جگہ صرف عمدہ کپڑے اور زیور رہ جاتے ہیں پرسوں وہ اس کو کھو کر پکاڈلی کی سڑکوں پر نسوانیت کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ یہی احوال اٹھارویں صدی میں تھا جب گولڈاسمتھ نے "ڈزرٹیڈ ویلیج" کی نظم لکھی تھی اور یہی احوال آج بیسویں صدی میں ہے جب "لندن گرل" پر ایک جلیل القدر آرچ بشپ نے اپنی رائے ظاہر کی ہے جس میں اسی کا رونا ہے۔

چونکہ وہ لوگ اپنے خاندان والوں کے بیچ میں بیٹھ کر اپنے پیشے پر افتخار نہیں کر سکتے لہذا ایک گروہ اُن کا مختلف وجوہ سے اس سلسلہ میں جا پڑتا ہے۔ جس کو ماسیٹرزم کہتے ہیں یہ عجیب بلائے بے درماں ہے ایک بڑھیا جو گناہ کا سلسلہ خود نہیں قائم رکھ سکتی بہت سی لڑکیاں جمع کرتی ہے اور اُن کی کمائی سے نفع اُٹھاتی ہے (مسز وارنز پروفیشن از برنارڈ شا) چونکہ قوانین مزاحم ہوتے ہیں لہذا سیکڑوں ترکیبیں ایجاد کی جاتی ہیں لڑکیاں دور دراز ممالک سے منگوائی جاتی ہیں تاکہ کوئی ان کا ہمدرد نہ اُٹھ کھڑا ہو اکثر ان میں کی قرض کی وجہ سے بڑھیا قطامہ کے بس میں ہوتی ہیں بعض ایسی ہوتی ہیں کہ وہ اپنے وطن اگر جا بھی سکتی ہوں جاتے ہوئے ڈرتی ہیں۔

ظاہر میں اُن کے چہرے سرشام ہنستے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مگر دل اُن کے روتے روتے مر گئے ہیں یا دن رات کی نامہربانیوں سختیوں خود غرضیوں کی وجہ سے مر کر بھوت ہو گئے ہیں۔ ٹالسٹائے نے اپنی کتاب ری سرکشن میں ایک تصویر دکھائی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ تیسرے پہر سے دین دنیا کی بدقسمت عورتیں میلے کچیلے بخس معز صحبت بچھونوں سے اُٹھتی ہیں۔ گزشتہ رات کی ماندگی شرابخواری

بے اعتدالی اُن کے تھکے چہروں سے ظاہر ہوتی ہے۔ اب کپڑے زیورات جن پر اُن کا قبضہ نہیں ہے بلکہ وہ دوسرے کی ملکیت ہیں تقسیم ہوتے ہیں ایک سائبیریا سے آئی ہے دوسری مصر سے گئی ہے تیسری برازیل کی ہے ایک دوسری سے لڑ رہی ہے جھگڑ رہی ہے۔ یہاں تک کہ بڑھیا نے آکر تقسیم کر دیا اب تیل پٹی سے درست ہو کر نشست کے کمرے میں آئیں۔ نیچے صاحب خریدار آنا شروع ہوئے۔ کوئی بڈھا ہے کوئی جوان ہے کوئی سخت مزاج ہے کوئی نرم مزاج ہے کوئی چڑچڑا ہے کوئی بے تکا دلگی باز ہے۔ کسی کے منہ سے بو آتی ہے کوئی نشے میں حواس کھو چکا ہے کوئی مال اُٹھانے جانے کی تاک میں ہے مختلف قوم کے لوگ ہیں مختلف درجے کے ہیں بالکل کم سن لڑکے ہیں اور بہت بوڑھے بیہودی ہیں۔ ضرورت سے زیادہ جوش دکھانے والے بھی ہیں۔ اور ایسے بھی ہیں جن کے آنے کی غرض نہیں معلوم قصہ مختصر اس طوفان گناہ و بے رحمی میں نفیس قوائے انسانی گھٹ گھٹ کر مر جاتے ہیں اور انسان نہ معلوم کیا ہو کر رہ جاتا ہے۔

خود ہندوستان میں کلکتہ بمبئی وغیرہ میں جہاں یورپ کے اُصول تجارت ترقی کر چکے ہیں یہ حالتیں پیدا ہونی شروع ہو گئی ہیں اور اس کے نمونے ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں ایک نامہ نگار کا بیان ہے کہ میں بمبئی میں ایک گناہ خانہ میں ایسے وقت گیا جس وقت ان بدقسمتوں کی زندگی کا دوسرا پہلو دیکھ سکوں۔

دن کے ایک بجے میں نے دیکھا کہ فرش پر کھری چارپائی پر آرام کرسی پر یہ عذاب الٰہی کے گرفتار بے چینی کی نیند سو رہی ہیں بڈھیا نائکہ نے گاہک کو دیکھ کر ان کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگایا بعض اُٹھ بیٹھیں بعض کروٹ بدل کر پھر لیٹ رہیں۔ یہ اُن کو زیادہ بے رحمی سے جگائے گئی جو با دل ناخواستہ اٹھیں اور بے بسی کی ترش روئی دکھا کر دوسرے کمروں میں چلی گئیں کچھ دیر کے بعد صاف کپڑے پہن کر نشست کے کمرے میں

آنا شروع ہوئیں ایک کو میں نے اپنے قریب بٹھالیا اور بے وقت تکلیف دہی کی عذر خواہی کی۔ لیکن اس کے چہرہ پر کوئی تغیر تبدل نہ ہوا جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ بیچاری ہمدردی سے اس قدر دور جاپڑی ہے۔ کہ عذر خواہی یا نرمی کی باتوں سے بالکل اجنبی ہوگئی ہے اس کے بعد میں نے اس سے پوچھا کہ بھلا کوئی ایسا بھی آنے والا ہے جس کا انتظار رہتا ہے۔ وہ بالکل نہ سمجھی تب میں نے اور وضاحت کی لیکن وہ کسی طرح نہ سمجھ سکی۔ بلکہ تضیع اوقات سے گھبرانے لگی اور بے سمجھے بوجھے پریشان ہوکر بولی کہ ہم کو سولجر لوگ زیادہ دے جاتے ہیں اس کے بعد میں نے اس کو کچھ روپیہ دیے جس کی وجہ سے اس کے نزدیک میری حماقت مسلم ہوگئی لیکن احسان کی نرمی چہرے سے دور ہی رہی۔ دوسرا واقعہ کلکتہ کا ہے وہاں بھی اسی طرح کے گھر میں جانے کا اتفاق ہوا اور میں نے سلسلہ کلام جاری کرنے کے لیے سگریٹ پیش کیا بعض نے لے لیا ایک نے نہ لیا بلکہ میرے سگریٹ کیس کے قریب قریب خالی ہو جانے پر میری تکلیف پر نظر کی۔ مجھ کو یہ تعجب تھا ہی کہ نرمی کا پہلو اس میں کیوں باقی رہ گیا کہ اُس نے مجھ سے سگرٹ کی خواہش کی میں نے دیدیا لیکن پہلی مرتبہ انکار کی وجہ بھی پوچھی معلوم ہوا کہ وہ اپنے ساتھی کے لیے چاہتی تھی جس کو بہت عادت تھی لیکن اس کو ملتے نہ تھے آنے جانے والے شراب سگرٹ بہت کچھ لاتے تھے۔ مگر یوں گھر میں اس کو اپنی کمائی میں سے سگرٹ پینے کو نہ ملتا تھا۔ نہ معلوم کیا مجبوری اور کیا بے بسی تھی کہ اس کے بعد بھی وہ گھر نہ چھوڑ سکتی تھی۔

اول الذکر عورت کے حالات کا میں نے تجسس کیا تو معلوم ہوا کہ چند ہی روز ہوئے ہیں کہ وہ اپنا دور دراز کا گھر چھوڑ کر مجبوراً اس جہنم میں داخل ہوئی ہے۔ فی زمانا اسی طرح کے قانون بین الاقوام بنائے گئے ہیں کہ دوسرے

ممالک سے لڑکیاں آسانی سے نہیں آسکتیں پھر بھی اُصول معاشرت خود ملک کے اندر اس قدر سامان طیار کرتے ہیں کہ ان کی کثرت میں ظاہرا کوئی کمی نہیں معلوم ہوتی۔ مری ڈھ نے ایک خیال ایک ایشیائی شخص کی زبان سے ظاہر کیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

بڑی کا وزیر کسی شخص کے یہاں دعوت میں گیا ہے اور دیر رات کو پکاڈلی کی راہ سے واپس آرہا ہے بہت سی عورتوں کو سڑکوں پر شکار کی تلاش میں پھرتا دیکھتا ہے اور جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کون لوگ ہیں تو کہتا ہے "یہ کیئے۔ مغربی تہذیب کا صرف رو کا رہی دل آویز ہو ورنہ پیچھے کا حصہ اس قدر کریہہ منظر ہے" یورپ میں علاوہ ان قسموں کے دوسری قسمیں بھی ہوتی ہیں جن کو نولٹ گرسٹ مسٹرس وغیرہ کہتے ہیں یہ لوگ انسانیت کا پہلو از سرتا پا نہیں کھو بیٹھیں لیکن یہ لوگ صد بیمار کے مقابلہ میں ایک انار سے زیادہ نہیں ہوتیں۔ ایک فرقہ وہاں پولیٹکل رنڈیوں کا بھی ہوتا ہے جو جاسوسی کے ذریعہ سے سلطنتیں اُلٹتی پھرتی ہیں لیکن ان کا شمار اس زمرے میں نہیں ہو سکتا۔

اب ایسی تصویر کا وہ پہلو ملاحظہ ہو جس میں ہندوستانی رنگ بھرا ہوا ہے یہ لوگ بھی بد قسمتی میں خود ہی اپنی مثال ہیں۔ عورت کا وہ پہلا حق جس کے بل پر وہ کسی کے مال کو اپنا مال کہتی ہو کسی کے گھر کو اپنا گھر کہتی ہے کسی کی عزت کو اپنی عزت سمجھتی ہے اس کو نصیب نہیں اس کا نعم البدل ناممکن ہے لیکن سوا شوہر کے اور جتنی خوبیاں خاندان اور یگانگی کی ہیں۔ اس سے محروم نہیں۔ اس کی تعلیم اور تربیت خلاف فطرت ہوتی ہے اور اس کی دنیا ہی نرالی ہے عموماً شریف لڑکیوں کو سلیقہ خانہ داری کے اصول محبت اور قربانی کی تربیت گھروندے اور گڑیا کا بیاہ رچا کر دی جاتی ہو ان کے دشمنوں کو بڈھیا نائکہ یہ سب کچھ سکھائے اگر آج

یہ سیکھ سکیں گی تو کل ہی برتیں گی اور اپنا گھر چھوڑ کر کسی مرد آدمی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کو شش کریں گی۔ اگر آج ہنڈکلیا کھیلیں گی تو کل چولھا پھونکنے میں آسانی ہوگی۔ یوں اگر دل کے ہاتھوں مجبور بھی ہوئیں تو دو دن کی خانہ داری پھر مونڈھے پر لا کے بٹھا دے گی۔ گھر میں ذکر اذکار یہی سنتی ہیں کہ جن سے وفاداری استقلال۔ صدق مقال ہمدردی وغیرہ کی وقعت دل میں نہ رہ جائے۔ مگر یہ سب باتیں اپنے قدر داتوں کے ساتھ ہیں۔ گھر میں دیکھئے تو درد بھی ہے اور بھائی بہنوں ماں بیٹوں میں انسانی پہلو محبت کا بھی موجود ہے۔ جس طرح باپ لڑکے کے ساتھ تعلیم کے بارے میں سختی برتتا ہے تاکہ اس کا فائدہ ہو۔ اسی طرح بوڑھی نائکہ بھی اپنے پیشے کی ضرورت سے اپنی کمسن لڑکی کو پیشے میں جھونک دیتی ہے۔ تاکہ اس کو اس کام سے صرف اسی قدر دلچسپی رہ جائے جس قدر روپیہ کمانے کے لئے ضروری ہے

ایک میر شکار نے فخریہ بیان کیا کہ "ہم صاحب اپنی ذات کے کھرے کنچن ہیں۔ ہمارے یہاں آج تک نہ کوئی بیٹھی نہ کسی نے نکاح کیا"۔ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلو خیال کا کس قدر ذلیل ہے اور واقعی ذلیل ہے مگر اسی طرح ذلیل ہے جیسے حضرت نوحؑ کی کشتی پر سور کے متعلق ذلیل کام گو کھانے کا تھا جس سے دوسروں کو فائدہ ہوتا تھا اگر بجائے اس کے ان بدقسمتوں کو بچپن سے یہ تعلیم دی جاتی کہ جس سے رسم ہو اس کے گھر بیٹھ جاؤ تو یہ نہ معلوم کتنے گھر کھا لیتیں اور اپنی بری تربیت سے خدا جانے کتنی شریف نسلیں برباد کرتیں۔ ایک بڈھا میر شکار تھا اس کے سامنے اگر کوئی میر انیس مرحوم کا مشہور مصرع "جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو" پڑھ دیتا تو وہ اس قدر چڑھتا تھا کہ بیٹھے سے کھڑا ہو جاتا تھا۔

خیال تو فرمایئے کہ جب یہ خیال تربیت کا ہو گا تو ان لوگوں کے دل پر کسی کے حبیب کی یا اپنے حبیب کی جدائی کیا بیٹھے گی۔ یہ میں نہیں کہتا کہ ہندوستان

میں اس کے خلاف نہیں ہوتا۔ میرا صرف یہ دعویٰ ہے کہ جہاں یہ نصب العین ہوگا وہاں دوامی تعلقات کے حادثات کم و بیش نظر آئیں گے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسی غرض کو پورا کرنے کے لیے یہ تعلیم بھی دی جاتی ہے کہ دوسری ہم پیشہ سے برابری کا دعویٰ رکھنا مگر سہرے جلوے والی شریف زادی کے مقابلہ میں "ایاز قدر خود بشناس" کو بھول مت جانا۔ ایک صاحب کے پاس ایک طوائف نوکر تھی جس کو اُنھوں نے دو دن تک برابر نہ یاد کیا۔ تیسرے دن جب ملاقات ہوئی تو مکاری کی تعلیم نے زبان شکوہ کھلوائی ادھر سے کہا گیا کہ ہم نے دو راتیں محلسرا میں بسر کیں۔ وہ چپ ہو گئی بعد ازاں لوہا لوہے سے کاٹنے کی غرض سے پوچھا گیا کہ کیا یہ بھی ناگوار ہوا۔ گو کہ وہ رنڈی سن کے لحاظ سے پختہ کار نہ تھی مگر اُس نے فوراً ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ "خدا آپ کو اور اُن کو ہمیشہ سلامت رکھے میری مجال ہے"، صاف بات ہے کہ یہ بھی مکاری کا ایک دوسرا پہلو تھا مگر اس میں اُس تعلیم کا پتہ ضرور چلتا ہے جو ان لوگوں کو ملتی ہے۔ میرے دوست میرے پڑھنے والے اگر اس نقل سے تمھارے دل میں ان کمبختوں کی جگہ ہو گئی ہو تو میں پیش خدا مواخذہ دار ٹھہروں گا۔ کہ جب قوت تو اظہار مطالب پر قدرت نہیں رکھتا تھا تو تو نے قلم کیوں اُٹھایا۔ میرا مقصد اصلی اُن لوگوں کی تعریف نہیں ہے بلکہ صرف یہ کہ یورپ جہاں سوداگری میں حکمت عملی میں مادہ پرستی کی ہمدردی میں ہم سے آگے ہے سیاہ کاری میں بھی ہم سے سیاہ تر ہے۔ آپ یہ کہیں گے کہ بجائے اس چمکدار لفافے کے جس میں رنڈیاں ایک اُصول کی پابندی سے قدم باہر نہ نکالیں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ تو یورپ کی بے حیائی اور شقاوت سے بھی کچھ بڑھ چڑھ کر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا نہیں ہی میرا تو صرف یہ دعویٰ ہے کہ آرزو ہر رنڈی کی یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاندانی روایات کو برقرار رکھے اور جب اُصول کی

پابندی پر نظر رکھے گی تو انسانی نرمی ضرور جھلکے گی۔ دنیا میں دولت کی وجہ سے بھی مزاجوں میں فرق آجاتا ہے۔ اور غریبی کی ضرورت بھی خواہش کے خلاف کام کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہتوں کو پیٹ پالنے کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔

آوارگی کی بُرائیاں اس قدر اظہر من الشمس ہیں کہ اُن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں پھر بھی اس قدر کہہ دینا ضروری ہے کہ بعض بُرائیاں صرف ایک پہلو سے نقصان پہونچاتی ہیں۔ لیکن اس راہ میں ہر طرح کا ضرر ہے۔ تندرستی پر سب سے زیادہ جوکھوں آتی ہے کیونکہ ڈاکٹروں کا قول ہے کہ اس پیشہ میں مشکل سے کوئی ایسی ہوگی جو دو برس کے اندر سزائے کردار نہ پا چکی ہو جب یہ حالت ہے تو ممکن ہے کہ کوئی خوش قسمت مرد دو چار مرتبہ بچ جائے لیکن پھر بھی روز بد سامنے ضرور آئے گا۔

بعض بد قسمت ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر سر منڈ واتے ہی اُولے پڑتے ہیں مالی اقتصاد اس وجہ سے بگڑ جاتا ہے کہ ان مصارف کا بجٹ نہیں طیار ہو سکتا بعض ناتجربہ کار اپنے زعم ناقص میں خیال کرتے ہیں کہ ہم ایسا کریں گے بعض جھوٹے عیاش اس کے دعوے دار بھی ہوتے ہیں مگر جب خرچ کیجئے تو کھل جاتا ہے کہ غلط ہے ان سب نقصانوں سے بالاتر نقصان نفس کا ہے آدمی اپنے پائے سے گر جاتا ہے اور وہ عیوب اس میں پیدا ہو جاتے ہیں جو اس عالم اور اُس عالم میں ہر جگہ اس کو ناکامیاب رکھتے ہیں۔ خود غرضی۔ جھوٹ۔ کمینہ پن۔ تنگ خیالی دغا۔ بے وفائی۔ جرائم۔ بُری صحبت۔ یہ وہ چیزیں نہیں کہ آدمی ان سے مل کر چلے اور کورا نکل آئے اور اس راہ میں خواہ وہ یورپ ہو یا ہندوستان ہر مقام پر متذکرہ بالا بُرائیوں کی ٹھوکر ہے۔ اس کوچہ میں پڑ کر انسان

یہ دیکھتا ہے کہ میں نے محبت کے یوسف کو شہوت پرستی کے بازار میں کوڑیوں کے مول بیچ ڈالا ہے۔ اور انسانیت کے درجہ سے گر کر صرف ایک خفیف سا حیوانی درجہ سے اونچا رہ گیا ہوں یہ شاعری نہیں ہے بلکہ واردات قلبیہ ہیں۔ جن کو ہر عیاش محسوس کرتا ہے اور اگر اُس میں غور و فکر کی کچھ بھی قابلیت باقی رہ جاتی ہے تو خود اپنی نگاہوں میں ذلیل ہوتا ہے۔

شادی کا باب

دنیا کے اہم ترین مسائل میں شادی بھی ہے جس کے لیے نٹشے فرماتا ہے کہ "شادی کرنا چاہتا ہے اور اولاد کا خواہشمند ہے مبارک ہو تجھے"، مگر پہلے "مردیت به آزمائے و آنگه زن کن"، شادی مذاق نہیں تو یہ حکم نٹشے کا یا مصرعہ سعدی کا مذاق ہے ان پُرمغز اقوال میں نہ معلوم کس قدر معنی ہیں۔

ایسے وسیع موضوع پر لکھنا اور اختصار کو مدنظر رکھنے کے بعد بھی یہ امید کرنا کہ مبحث پر کس طرح کی روشنی پڑ سکے گی غلطی ہے میں صرف اس نیت سے لکھنا چاہتا ہوں کہ تازہ اور قوی دماغ والوں کی توجہ اس طرف مبذول ہو اور وہ کام جو میرے دل و دماغ کی قدرت سے باہر ہے وہ لوگ کر کے ایک مبارک نتیجہ پر پہنچ جائیں۔

شادی از روئے ارتقا اور اس کے ہر پہلو پر رائے زنی اُن مصنفین کا حصہ ہے جنھوں نے اپنے کمال کی مہریں علوم تاریخ پر لگائی ہیں۔ ایک چھوٹے سے رسالے کے لیے اس کی حاجت نہیں یہاں تو صرف یہ دکھانا ہے کہ عملاً کیا کیا جائے جو ایک گونہ آسائش زیادہ ہو جائے۔ علمی مباحث سے قطع نظر کر کے تین پہلو ہیں۔ جن پر ہمارے نوجوانوں کو غور کرنا چاہیئے۔

۱۔ شادی کے لیے بہترین زمانہ کون ہے۔

۲۔ آیا انگریزی طریقہ شادی کا ٹھیک ہے یا ہندوستانی۔

۳۔ آیا صرف ایک شادی عمدہ ہے یا زیادہ بھی فائدہ رساں ہو سکتی ہے۔

سب سے بڑا اور اہم سوال شادی کی عمر کا ہے ہم لوگ جن کی تقلید کرتے ہیں اُن کے نزدیک شادی کا زمانہ مرد کے لیے ۳۰۔۴۰ اور عورت کے لیے ۲۰۔۳۰

تک بہت عمدہ ہی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعی عمدہ ہی۔ مگر انہیں قوموں کے لیے ہی جن کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں۔ اور جہاں موسم کی وجہ سے یا ملک کی وجہ سے یا خود مختاری کی وجہ سے لوگ دیر میں جوان ہوتے ہیں اور دیر میں بڈھے ہوتے ہیں۔ ہمارے یہاں تو یہ حال ہی کہ یہ مرغ طرب کب آیا اور کب گیا۔

نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

یہاں اگر چالیس برس میں شادی کی نوبت آئے تو غضب ہی ہو جائے

ممکن ہے کہ کم عمری کا ایک باعث کمسنی کی شادی بھی ہو۔ بلکہ یقیناً ہے۔

لیکن سیکڑوں اور وجوہ بھی ہیں جو اس جگہ بیان نہیں ہو سکتے۔ بچپن کی شادی تو سرے ہی سے بری ہی لیکن پھر بھی سوال باقی رہتا ہے کہ سب سے زیادہ مناسب زمانہ کون ہی۔ انسان میں ایک زمانہ بچپن اور جوانی کے درمیان میں ہوتا ہی جس کو باڑھ کا زمانہ کہتے ہیں جس طرح بچپن کی شادی کو مضر صحت سمجھنا چاہیے۔ اُسی طرح اس زمانہ کی شادی کو بھی انسان کے لیے زہر ہی تصور کرنا چاہیے۔ جب لڑکا یا لڑکی بچپن کے آخری زینے پر ہوتے ہیں تو ایک تغیر پیدا ہوتا ہے جو طبیب اور غیر طبیب سب کی تشخیص میں آجاتا ہے آدمی دُبلا ہو جاتا ہے قد کا طول یکبارگی زیادہ ہو جاتا ہے۔ بچپن کا بھولا پن رخصت ہو جاتا ہے لیکن شباب کی دلآویزی کو دیکھنے والا نہیں پاتا۔

اس زمانہ کے شروع ہوتے ہی بچے میں خیالات گہرے ہونے لگتے ہیں لڑکی میں شرم کے آثار شروع ہو جاتے ہیں۔ لڑکے میں جنسی خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ آدمی رائے خود قائم کرنا شروع کر دیتا ہی۔ ماں باپ کی حکومت ناگوار معلوم ہوتی ہے جھلاپن پیدا ہو جاتا ہے کسی وقت کاہلی گھیرتی ہے کبھی کام کرنیکی طرف ضرورت سے زیادہ جوش و انہماک ہوتا ہی۔ کبھی چُپ سی لگ جاتی ہے۔

رازداری کی خواہش پیدا ہوتی ہے یہی زمانہ باڑہ کا ہے جو ہم آپ روز دیکھتے ہیں۔

اِس زمانہ میں انسان جنسی امور کے اوپر قادر ہو جاتا ہے لیکن اعضا اور جوارح پوری تقویت پر نہیں ہوتے اور ہر جزو بدن اپنی طرف طاقت کا سامان کھینچتا ہے اس چھینا جھپٹی میں اگر اہلی خدمات بھی اپنا حق مانگنے کھڑے ہوگئے تو سمجھ لیجئے کہ غضب ہی ہوا۔ آج کا ٹوٹا برسوں میں کیا مدت العمر میں بھی نہیں بنتا۔ ڈاکٹر میری اسکالیب نے کیا خوبصورت نقل بیان کی ہے جو لفظاً نہیں بلکہ معناً ہدیہ ناظرین ہے۔

سلطانہ ملکہ کے پاس اُس کا بیٹا بیٹھا ہے اور کہہ رہا ہے " اماں میں اپنی شادی کروں یا نہ کروں "

ملکہ۔ تمھارے دل میں یہ خیال کیونکر پیدا ہوا کیونکہ ابھی تمھاری عمر اس قابل نہیں ہے۔

شہزادہ۔ میرے دوسرے بھائی لوگ ہیں جو متعدد شادیاں کر چکے ہیں۔ اور میرے مصاحبین بھی مختلف عورتوں کے پیغام مجھ تک پہونچاتے ہیں۔ جو میری مشتاق ہیں۔ ماں بیچاری کا دل دھڑکنے لگتا ہے اور وہ کہتی ہے کہ میں تم سے ایک سوال کرتی ہوں غور سے سننا اور تامل سے جواب دینا۔

فرض کرو کہ تم شکار کو گئے ہو اور اپنے خیموں سے بہت دور جا پڑے ہو واپسی میں بھوک نے غلبہ کیا ہے اور تم قدم بڑہائے ہوئے اپنے پڑاؤ کو آرہے ہو کہ راستہ میں ایک معصوم ملتا ہے جو اپنا مختصر کھانا لیے بیٹھا ہے۔ آیا تمھاری عالی ہمتی کے شایاں یہ ہے کہ اس نازک بے بس بچہ کا اذوقہ جو تمھارے لیے بالکل ناکافی اور اُس کے لیے نہایت ضروری ہے چھین کر کھا جاؤ یا چند قدم اور صبر کرو جہاں خود تمھارے لیے انواع اقسام کے نعمات چنے ہوئے ہیں۔ جو

تم کو سیر بھی کر دیں گے اور قوت بھی بخشیں گے۔ یہی حال میرے بیٹے تیری اُٹھتی جوانی کا ہے کیونکہ تیرے اعضاء ابھی قوت کے کمال کو نہیں پہونچے ہیں اگر اس وقت میں وہ صرف شروع ہوا جس میں بعد کو بھی اصراف کی گنجائش نہیں تو اولاد کمزور ہوگی اور تیرے گھر کا چراغ آباؤ اجداد کا نام کیونکر روشن کرے گا۔ میں نے تم کو نو مہینے پیٹ میں رکھا اُس زمانہ میں میں نے وہ احتیاط کی جو میرا فرض تھا میں نے کوئی چیز ایسی نہیں کھائی جو تم کو بے چین کرے بے وقت جاگی نہیں بے وقت سوئی نہیں کہ تم بے کل ہوگے۔ کھانے میں احتیاط کی پینے میں احتیاط کی معاشرت کے ہر پہلو میں تمہارے آرام مقدم رکھے تاکہ تم ویسے ہی ہو۔ جیسا کہ ہر ماں چاہتی ہے خدا کا شکر ہے کہ میں اپنی خواہش میں اس حد تک کامیاب ہوئی اب میری بیٹے اور اس جلیل القدر سلسلہ کی پت تمہارے ہاتھ ہے تھوڑا زمانہ اور باقی ہے پھر وہ وقت بھی آجائے گا جس میں تمہارا آرام اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اب میری خواہش ہے کہ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ میری نصیحت کو گرہ باندھو گے اور وہ کرو گے جس کی مجھ کو آرزو ہے۔

شاہزادہ۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔

ماں۔ مجھے یقین ہے لیکن میری تشفی کے لیے ایک بات اور کرو تو میں سکھ نیند سو سکوں گی۔

شہزادہ۔ میں حاضر ہوں۔

ماں۔ تم دو دن کھانا مت کھاؤ جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ کٹھن سے کٹھن موقعہ پر بھی تمہارا قول قول مرداں ٹھہرے گا۔

بیٹا۔ آپ دو دن کہتی ہیں میں تین دن کے لیے ارادہ کرتا ہوں۔

شہزادی نے بیٹے کو محبت کی نظر سے دیکھا اور امتحان کا تہیہ کیا۔ ان تین

دنوں میں ماں نے یہ انتظام کیا کہ بہتر سے بہتر غذائیں۔ فواکہ، مشروبات ہر وقت آنکھوں کے سامنے چنے رہیں اور نگاہ کے آگے سے گزرا کریں لیکن شہزادہ نے پھر کر بھی نہ دیکھا اور مدت آزمائش ختم ہوگئی تو ماں نے بیٹے کو چھاتی سے لگایا جس میں شہزادی اور شاہزادہ گم ہوگئے صرف ماں بیٹے رہ گئے۔ اس کے بعد بولی کہ اب مجھ کو تمہارے اوپر بھروسہ ہے۔ باڑہ کا زمانہ نکل جانے کے بعد میرے خیال میں فضول انتظار کر کے قیمتی وقت ہاتھ سے دینا ہندوستانیوں کے لئے مناسب نہیں ایک ہندی مثل ہے۔ اگمن کھیتی اگمن پوت۔ یعنی شروع کی کھیتی اور شروع جوانی کا بیٹا۔ اگر دیر کو شادی کی اور دیر کو لڑکا ہوا عمر میں کم وہ لڑکا نہیں گورکن ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج مادی دوڑ دھوپ کا تقاضا یہی ہے کہ شادی صرف اس وقت کی جائے جب آدمی دولتمند ہو اور مناسب بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب دولت کی یہ بہتات نہ تھی نہ یہ پرستش تھی اُس وقت لوگ یہی خیال کرتے تھے اور اسی پر عامل بھی ہوتے تھے۔ کہ دل کی خوشی کے لیے دولت کی ضرورت نہیں آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اہلی زندگی بعض غریب بھی ایسی بسر کرتے ہیں جس پر امیروں کو رشک آتا ہے۔

پھر شادی کے لیے کس قدر دولتمند ہونے کا انتظار کیا جائے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ جب تک عورت کی پوری کفالت کوئی نہ کر سکے اس وقت تک اُس کو شادی کرنے کا حق نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کفالت کا مفہوم کیا ہے۔ ایک مفہوم اس کا انگریزی پہلو سے ہے، دوسرا ایک ہندوستانی۔ ہمارے نوجوانوں کی نظر ہندوستانی پہلو پر نہیں جاتی۔ نہ اس پر نظر کرنے کی کوئی وجہ پیش آتی ہے۔ خلاف اس کے یورپ والا پہلو ہر وقت پیش نگاہ رہتا ہے۔ اور وہ ہی دل کی نظر پر بھی چڑھ جاتا ہے۔ یعنی ہمت مردانہ کا مقتضی یہ ہے کہ جب تک اس قدر

دولت بہم نہ پہونچ جائے کہ آدمی بی بی کو نہایت آرام سے رکھ سکے شادی نہ کی جائے۔ واقعی یہ خیال قابل آفرین ہی لیکن بغیر دولت کے بھی تو آرام ممکن ہی اور اس انتظار میں بھی تو کچھ خرابیاں ہیں۔

انگریزوں میں اس طرح مختلف طبقات برادری اور قومیت پر مبنی نہیں۔ جیسا کہ ہمارے یہاں ہیں گو کہ اُن کے یہاں معاشرتی قانون ہمارے یہاں سے بہت زیادہ سخت ہی اور سختی سے برتا بھی جاتا ہے۔ لیکن وہ بجائے قومیت کے دولت اور علم وغیرہ کی بنا پر ہوتا ہی۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا۔ اگر کسی شخص میں علم اور دولت اپنے باپ دادا سے زیادہ ہو گئے تو وہ ہر لحاظ سے اپنے طبقے سے نکل کر دوسرے طبقے میں جا پڑا۔ لارڈ ریڈنگ لائیڈ جارج۔ اور سیکڑوں ایسی مثالیں روز کے دیکھنے میں آتی ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنے پُرانے طبقے سے بالکل ہی غیر ہو کر نئے طبقے میں گھل مل جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں اس کے بالکل برخلاف ہوتا ہی۔ یہاں کوئی شخص ہزار غریب ہو جائے یا ہزار امیر ہو جائے۔ علم میں بھی کمی بیشی آجائے پھر بھی وہ نہ اپنے طبقے سے بالکل نکل ہی جاتا ہی نہ دوسرے طبقے میں پوری طور سے داخل ہی ہو جاتا ہی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر آدمی جس طبقے کا ہی اُسی طبقے کی نسبت سے اپنے عیال کی پرورش کر سکتا ہی تو وہ کفیل کیے جانے کا مستحق ہی۔ کسی طبقے کو لے لیجئے شیخ کو لے لیجئے یا ٹھاکر کو لے لیجئے۔ گو مختلف افراد میں دولت اور علم وغیرہ میں زمین آسمان کا فرق ہی۔ پھر بھی وہ برابر کے سمجھے جاتے ہیں اور اُن باتوں میں جو قومیت کا پتہ دیتی ہیں برابر ہیں بھی۔ مثلاً پردہ یا روایات خاندانی وغیرہ اگر ان باتوں کے ساتھ وہ چیز بھی ہے جس کو اصطلاح میں گوشت روٹی سے خوش یا کھاتا پیتا گھر کہتے ہیں تو اور زیادہ دولت کا انتظار کر کے بہترین وقت کھو بیٹھنا سوائے شامت کے اور کیا کہا جائے ہمارے

یہاں عورتوں کی تربیت ایسی ہوتی ہے کہ امیرزادی بھی متوسط الحال کے یہاں پہونچ کر اچھی طرح کاٹ ڈالتی ہے اور اس کو اتنی بڑی مصیبت نہیں جانتی۔ جتنی یورپین عورت سمجھتی ہے یہ خیال ایک مثال سے صاف ہو جائے گا نان کوآپریشن کے زمانے میں ایک نہایت ہی مستقل مزاج جوشیلے نیک نیت وکیل میرے عنایت فرماؤں میں تھے وہ عیال کی وجہ سے نان کوآپریشن کرتے ہوئے ڈرتے تھے لیکن وکالت نہ چھوڑنے سے بھی پریشان تھے۔ عندالذکر اُنھوں نے اپنے دل کی کیفیت بیان کی کہ اگر مجھے پچاس روپیہ ماہوار کا سہارا ہو جائے تو میں ابھی وکالت چھوڑ دوں۔ یہ بات اُنھوں نے صرف اپنی فطرتی قناعت کی بنا پر کہی ہوگی۔ مگر جس وجہ سے یہ خیال اُن کے دل میں بغیر اُن کی اطلاع کے گزرا ہوگا یہ رہا ہوگا کہ وہ دیکھتے تھے کہ جس طبقے میں ہم ہیں اور جو سفید پوش کہلاتا ہے اس میں سیکڑوں روپیہ ماہوار سے لے کر پچاس روپیہ تک کا آدمی قبول کر لیا جاتا ہے بلکہ اس سے بھی کم والے کی گنجائش ہے بشرطیکہ دوسرے شرائط موجود ہوں۔

انگریزی کتابوں میں اکثر دیکھتے ہیں کہ ایک عورت باوجود سچی محبت کے اپنی زندگی تباہ کر دیتی ہے اور کسی ادھیڑ امریکن کروڑپتی کے ساتھ صرف اس وجہ سے شادی کر لیتی ہے کہ جس قدر دولت مندی کی وہ عادی تھی اُس کا عاشق اس قدر دولت مند نہیں تھا۔ اسی کے مقابلہ میں ہندوستانی شریف خاندانوں کو دیکھیے جہاں عموماً لڑکی کو زیادہ عمدہ کپڑے اس وجہ سے نہیں پہنائے کہ نہ معلوم کہاں تقدیر ہو۔ اپنے بچے کو کون نہیں چاہتا اُس کے آرام میں اپنا آرام کون نہیں دیکھتا مگر بات یہ ہے کہ ان گئے حالوں پر بھی ہندوستانی کی نظر صرف دولت ہی پر نہیں جاتی۔

دوسرا پہلو جس کا اشارہ کیا جا چکا ہے یہ ہے کہ آیا انگریزی طریقہ شادی کا ٹھیک ہے یا ہندوستانی۔ انگریزی طریقے میں عموماً یہ ہوتا ہے کہ اعزا و اقربا دو نوجوانوں کو اُن کی طبائع کا لگاؤ پہچان کر اگر ناموزوں جوڑ نہ ہوا تو ان کا بڑھانے کا موقع دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ شادی ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ طریقہ نہایت ہی قرین عقل و انصاف ہے لیکن یہ تصور کرنا کہ ربط وضبط کی وجہ سے عورت و مرد ایک دوسرے کے عادات خصائل کمزوریوں اور نیز زبردستیوں سے واقف ہو جاتے ہیں بڑی غلطی ہے۔ آپ نے سنا ہے نہیں "کہ خبث نفس نہ گردد بسالہا معلوم" اور پھر اس وقت جبکہ ہر دو جانب کوشش یہی ہو کہ صرف روشن پہلو دوسرے کی آنکھ میں چکا چوند ڈال دے۔ اگر لوگ کورٹ شپ ہی کے زمانے میں صحیح رائے قائم کر سکتے تو یقیناً کوئی شادی خراب نتیجہ نہ دکھاتی جوانی کا عالم آرزوں مُرادوں کا زمانہ دو دل یکجا ہیں مگر بیچ میں تلوار رکھی ہے۔ بقول برنارڈ شا کے اس حالت کو جس قدر طول دیتے چلے جائیے گا آنکھوں پر پردے اور زیادہ گہرے پڑتے جائیں گے۔

صحیح رائے خدا کے لیے بتائیے کیونکر قائم ہوگی۔ یہ تو ان شادیوں کا حال ہوا۔ جو شومئی بخت سے بُری ثابت ہوئیں۔ اب ان شادیوں کو لیجئے جو آرام و آسائش کی ثابت ہوئیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ صرف کورٹ شپ کا نتیجہ ہے۔ اگر کورٹ شپ کی وجہ سے ہوتیں تو بعض ہندوستانی شادیاں کیوں آرام کی ہوتیں۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ اصل جزو جو آرام کی زندگی زوجین کو نصیب کرتا ہے وہ کوئی اور ہوگا امر واقعی یہ ہوگا کہ ہر صحیح تندرست انسان میں اتنے اغراض دوسرے سے وابستہ ہیں کہ اگر کوئی خاص موانع مثل سخت اختلاف

مزاج کے جیسے کتے اور بلی ہیں یا سانپ اور مور ہیں ہوتے ہیں نہ ہوئے تو کوئی دو
انسان باہم آرام کی زندگی بسر کرسکتے ہیں سانپ اور مور کے اوپر یاد آگیا کہ
ایف ڈبلیو بین نے اپنی خوبصورت ہندو کہانیوں میں قدیم زمانے کے ایک راجہ اور
رانی کا ذکر کیا ہے جن میں طبائع اختلاف کا یہ حال تھا کہ راجہ کو قریب پاکر رانی
بیہوش ہو جاتی تھی۔ اور ایک پنڈت نے بتایا کہ اگلے جنم میں تم دونوں طاؤس
اور سانپ تھے۔ خیر یہ تو اگلے زمانے کی باتیں ہیں مگر اختلاف طبائع اگر بے انتہا ہو
تو آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ دو آدمی آرام کی زندگی نہیں بسر نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے
شادی کو جوا کہتے ہیں لیکن ہزاروں میں کہیں ایک ایسا اتفاق ہوتا ہے جس میں
تمام غرضوں کے اوپر طبیعت کا اختلاف غالب آجائے اگر کورٹ شپ کی چمک دمک
ملمع کو تھوڑی دیر کے لیے دور کر دیجئے جو یورپین ناولوں وغیرہ سے پیدا ہو جاتا
ہے تو ڈاکٹر جانسن کے قول کی تصدیق ہر دل کرنے لگتا ہے۔ یقینی "میرے نزدیک
اہلی زندگی میں فرق عظیم نہ آئے۔ اگر لارڈ چنیسلر شادیاں تجویز کر دیا کریں"
ہر شخص جو پرایا گنڈا کے معنی سے کچھ بھی واقف ہے جانتا ہے کہ ایک کام کے لیے
نہ معلوم کتنے دوسرے کام کرنے پڑتے ہیں یورپ کی معاشرتی زندگی کا مقتضا
یہی ہے جو وہ کرتے ہیں مگر اس غرض کو پورا کرنے کے لیے اُن کو مجبوراً یہ بھی کہنا
پڑتا ہے کہ جب تک محبت نہ پیدا ہو شادی نہ کرنا چاہیئے اور ہر شخص اسی کا مدعی
بھی ہے لیکن اصلیت دیکھئے تو کچھ اور ہی ہے۔

میکس نارڈو مشہور جرمن مصنف اپنی کتاب "تہذیب حال میں جھوٹھ کا
فتوائے جواز میں کہتا ہے کہ پچہتر سیکڑہ شادیوں میں صرف محبت بدنام ہوتی ہے
اور دوسرے مصالح پورے ہوتے ہیں۔ جارج ہرستھہ کی تحقیقات کے موافق
۹۰ فیصدی شادیاں ایسی ہوتی ہیں خدا نہ کرے کوئی غلط خیال قائم ہو جائے

عورت اور مرد کے تعلقات خدا کی عالم ترین نعمات میں سے ہیں اور ہر شخص اُس کے مزے سے واقف ہو لیکن جب بحث کریں گے تو یہ معلوم ہوتا ہو کہ گویا مسئلہ زیر بحث اس چیز سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا۔ جس کا تجربہ ہم ہندوستانیوں کو ہو جس انگریز سے باتیں کیجئے یہی پایا جائے گا کہ اس کے خیال میں ہندوستانیو کو محبت کی نعمت میں حصہ ہی نہیں ملا۔ ایک تجویز رخصت کرانے کی دفعہ کے متعلق دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا جس میں مجوز صاحب نے از روئے فلسفہ ہندوستانی طریقہ پر اعتراضات جڑکر اپنا خیال ظاہر کیا تھا کہ آپ لوگوں میں صحیح جذبہ محبت کا کہیں پتہ بھی نہیں لگتا۔ انگریزی قوم کو دیگر اقوام کے لوگ "اِسناب" کہتے ہیں یعنی ہیچو من دیگرے نیست کا پیالہ پئے ہوئے ہیں۔ مضمون زیر غور اس کی پوری تصدیق کرتا ہو۔ بھلا غور تو کیجئے کہ دنیا کی سب سے بڑی روحانی فضیلت دماغ کا سب سے لطیف کارنامہ قطرت کی سب سے عظیم ودیعت خدا کی سب سے بڑی موہبت کہ جب وہ قدم آگے بڑھاتی ہو تو تمام صفات انسانی اس کا دامن ہاتھ میں لے کر مدارج طے کرتے ہیں اور اقتصادی معاشرتی۔ مذہبی۔ اخلاقی منازل قطع کرتے ہوئے حسن مطلق تک پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن یورپ کے نزدیک ہم اس سے محروم ہیں۔ حالانکہ اس کے بڑے بڑے مصنفین کو دیکھ لیجئے مشکل سے کوئی ایسا ملے گا جو خود اس کا رونا نہ روتا ہو۔

شیکسپیر کہتے ہیں۔ مرد جب کورٹ شپ یعنی (نسبت) کرتا ہو تو اپریل (بہار) ہوتا ہو جب بیاہ کرتا ہو تو دسمبر (پت جھڑ) ہو جاتا ہو۔ ٹالسٹائے فرماتا ہو "سو میں مشکل سے ایک ملے گا جس نے شادی سے پہلے شادی نہ کی ہو اور پچاس میں مشکل سے ایک نکلے گا جس نے بی بی کو دھوکا دینے پر کمر نہ باندھی ہو۔ اگر آپ مجھ سے پوچھتے ہیں شروع کی محبت فطرت کا جوش حیات ہے جو

اپنے موقعہ پر مناسب ہی جیسے سوڈا واٹر کا اُبال کہ اگر نہ ہو تو گیس کا فائدہ بھی ہوا ہو جائے۔ اس کے بعد والی محبت البتہ سد سکندری کی طرح عمیق بنا پر قائم ہی۔ لڑکوں میں اشتراک بتھر زمانے کی یاد۔ انحطاط یا وسط حیات میں ایک کو دوسرے کا سہارا۔ ایثار اور استیثار کا خلاصہ اصل بندشیں ہیں جو دو دلوں کو اس طرح ملاتی ہیں کہ پھر وہ جدا نہیں ہوتے اور ایک کے مرجانے پر بھی زندہ رہتے ہیں۔ یہی وہ محبت ہی جو کورٹ شپ سے بے نیاز ہے۔

برنارڈ شا نے جب انسان فوق الانسان کا چند ڈراما لکھا تو بہت سے نوجوانوں نے استفسار کرنا شروع کیا۔ کہ اگر آپ کا یہ منشا ہی کہ ہم لوگ انگستانہ کی ضمانت نظری کر دیں تو ہم طیار ہیں تجربہ کار مصنف نے جواب دیا کہ خبردار کہیں ایسا کرنا بھی نہ کہ بغیر اس بندش کے مل جانا۔ ایجاب وقبول تو ہر جگہ ہوتا ہے لیکن اصل چیز اس کا اعلان اور قانونی بندش بھی ہی۔

پھر جب یہ ٹھری تو وہ ناول نویسوں کے دعوے اور نوجوانوں کے دم خم کہاں باقی رہے۔ امیر کا شعر کورٹ شپ کی کیا خوب تعبیر کرتا ہی ؎

نہ بے وفائی کا ڈر تھا نہ غم جدائی کا
مزا میں کیا کہوں آغاز آشنائی کا

اسکر وائلڈ نے اپنے اشعار نثریہ میں ایک مضمون لکھا ہی جو بعد از مرگ مصیبت کا مرثیہ ہی۔ لیکن اس زندہ بہار شادمانی یعنی کورٹ شپ کی بے ثباتی کا بھی پتہ دیتا ہی جس پر نوجوانوں کو ناز ہی "عالم برزخ میں ایک روح جو نیک ارواح میں سے ہی۔ جناب باری میں بار بار التجا کرتی ہی کہ بار الہا مری نیکیوں کے بدلے مجھے اجازت دے کہ کھڑے کھڑے دنیا میں جاؤں اور اپنے عاشق کو تسکین دے کر اُلٹے پاؤں واپس آؤں مگر باب اجابت بند کا بند رہتا ہے

اور مانگنے والی مانگے جاتی ہے یہاں تک کہ حکم ہوتا ہے کہ جا مگر واپس آکر اس کا خمیازہ اُٹھانا پڑے گا۔ وہ روح دنیا میں آتی ہے وہی مکان ہے وہی کمرہ ہے وہی بیٹھنے کی نرم جگہ ایک دوسری عورت گرم کیے ہے۔ اور عاشق کہہ رہا ہے "ہاں میں چاہتا تو اُس کو بھی تھا مگر تیری محبت تو کوئی دوسری چیز ہے جس کا مزہ ہی نرالا ہے" ان دونوں کے پس پشت ایک شعلہ اُٹھتا ہے اور بیچاری مُستہام روح جناب رب العزت میں عرض کرتی ہے کہ میرے مالک عذاب زیادہ کر کیونکہ میں اُس عذاب کا مزہ چکھ آئی ہوں جس کے آگے دوسرے عذاب غنیمت ہیں۔ دُور کے ڈھول سُہانے یہ کورٹ شپ ہے اور یہ اس کے برتنے والے انگریز حضرات والاصفات کی باتوں پر ہنسی آتی ہے کہ ایک شادی کی رسم تو بربنائے اقتصاد تجویز کی ہے اور فرماتے ہیں کہ جی نہیں۔ میں تو اخلاق حسنہ کا حامی ہوں عیاشی کرنے کے لیے چاہے کروں مگر دم محبت ہی کا بھرے جاؤں گا۔

ملاحظہ ہو جرمنی کا بہت بڑا ماہر بلاک جس کی کتابوں کے ترجمے ہر زبان میں موجود ہیں (گو ہمارے یہاں نہیں) خاص آپ کے بارے میں کیا خیال ظاہر کرتا ہے۔

"انگریز ڈان جوان کا کینڈا اجوبی اور ٹیبر نانک یعنی جرمن اقوام کے ڈان جوانوں سے بالکل ہی جدا ہے ان کی خصوصیات میں نسبت کی گرم جوشی سے زیادہ جس چیز کا جزو ہے وہ دوسرے کے اوپر فتح حاصل کرنے کا خیال ہے اپنے خیالات کو وسیع کرنے کا ناز ہے قوئی شہوانیہ کو راضی رکھنا اصل تقاضا نہیں ہے بلکہ اس حالت میں بھی سرد مہری ان کا منہ چڑھاتی رہتی ہے۔"

سُوپ تو سوپ ہنسے چھلنی کیا ہنسے جس میں بہتر چھید مگر صرف سُننا نہیں پڑتا بلکہ ہمارے نوجوانوں کے دل میں یہ خیالات اس طرح جاگزیں ہو جاتے ہیں۔

کہ اگر اس کے خلاف سنتے ہیں تو یقین نہیں ہوتا اور جب یقین ہوتا ہے تو اچھنبا ہوتا ہے
یورپین شادی کے اصول کی قلعی ناروے کے مشہور فلاسفر اور ڈراما نویس ابسن
نے ڈالز ہاؤس میں ایسی کھولی ہے اور اُن کے دعوی محبت کی وہ دھجیاں اُڑائی
ہیں کہ اس کے بعد چڑیوں کا گانا از روئے محبت غنیمت معلوم ہوتا ہے مگر ان انسانوں
کا اظہار عشق بے معنی بکواس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ متذکرہ بالا ڈراما
میں قصہ یہ ہے کہ ایک میاں بی بی دو قمریوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں کہ
بی بی شوہر کے آرام کے خیال سے ایک جعل بناتی ہے۔ شوہر کی محبت بدنامی کے
خوف سے غائب ہو جاتی ہے۔ جب وہ خدشہ دور ہو جاتا ہے محبت پھر عود کر آتی
ہے۔ عورت کہتی ہے کہ تم نے مجھ کو عمر بھر دھوکے میں رکھا واقعی تم کو مجھ سے
محبت نہیں تھی بلکہ صرف اپنے لطف کے لیے پیار تھا کہ جب تک بدنامی کا خوف
نہ تھا باقی تھا جب وقت پڑا تو تم نے میری دلسوزی کی قدر نہ کی اور جب وہ خوف
مٹ گیا تو پھر عاشق معشوق ہو گئے۔

تعدد ازدواج کا سوال بھی اس قابل نہیں کہ نظری کر دیا جائے اس میں
کوئی شک نہیں کہ ایک شادی سے بہت سی جھنجھٹیں مٹ جاتی ہیں اور زندگی کی
روانی میں موجیں کم اُٹھتی ہیں۔ لیکن طبائع مختلف ہیں اور اگر یہ ترکیب فطرت
کے خلاف واقع ہوئی ہے تو اچھی کہے جانے کی مستحق نہیں۔ میرے پڑھنے والے
تعصب سے ذہن کو خالی کر کے میری گزارش سنو اگر اس کے بعد بھی لغو اور مضر
معلوم ہو تو مجھ کو شکایت نہ ہوگی۔ دنیا کا کوئی حصہ مشکل سے ایسا ملے گا جہاں
زیادہ بزرگوں نے ایک ہی وقت میں ایک عورت سے زیادہ کو نہ جانا ہو۔ یا
اس کی عمر بھر میں کسی وقت حسرت نہ ہوئی ہو۔ جن ممالک میں تعدد ازواج
جائز ہے وہاں کا ذکر نہیں اون ممالک میں لوگ ایک زندگانی اور ایک محبت کی

کہانی کے قائل نہیں وہاں کیا ہوتا ہے۔ کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اعترافات کے دفتر طیار ہو سکتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ میں تعدد ازدواج کی ضرورت موجود ہے آئے دن روز طلاق اور نکاح کے نئے قانون ڈھالے جاتے ہیں۔ چونکہ فطرت کے موافق نہیں پڑتے لہذا بدلنے پر بھی چول نہیں بیٹھتی۔ ہیولاک ایلس کہتا ہے کہ ایسے قاعدے بنانا کہ جس سے آدمی تعدد ازدواج کا مرتکب ہو اور اگر وہ اخلاق کا دباؤ نہیں مانتا تو تعدد ازدواج کی ذمہ داریوں سے بچ بھی نکلے یہ معنی رکھتا ہے کہ ان باتوں پر اس کا دل بڑھایا جاتا ہے۔ گویا ہم لوگ ایسی شے کی قیمت اونچی کر رہے ہیں جس کو زبان سے برا کہتے ہیں۔ دنیا کے کسی حصے میں تعدد ازدواج اس قدر عام نہیں جس قدر کہ عیسائی ممالک میں۔

ایک اور صاحب کا قول ہے کہ مغرب میں عیاشی بمقابلہ مشرق کے بدرجہا سہل ہے۔ "لیکی" کا قول ہے کہ گو ایک دامی بی بی کا ہونا قاعدہ عام ہے لیکن یہ دعوی بیکار ہے کہ اس طرح کے قواعد کسی قوم کے طبیعت کے موافق ہیں چارلس لنگسلی ایسے پادری کا قول ہے کہ عورت کی دنیا اُس وقت تک آرام کی نہیں ہو سکتی جب تک آخری ٹکڑا اس قانون کا مہذب دنیا سے نکال نہ ڈالا جائے گا (۲۷۳ وومن انڈ پالیگمی) بلا مبالغہ ہزاروں اقوال بڑے بڑے لوگوں کے اس دعوے پر تائید اً پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن سب سے بڑا تائیدی گواہ خود آدمی کی عقل ہے اس کا فتویٰ لے لیجئے۔ بقول شوپنہور کے مرد کے توالد و تناسل کا زمانہ عورت کے توالد و تناسل کے زمانہ سے زیادہ ہوتا ہے اب فرمائیے کیا کیا جائے؟ آپ فرمائیں گے ضبط کیا جائے فطرت کہتی ہے ہمارا حکم مانو اور آپ فرماتے ہیں ضبط کرو۔ یا تحصیل لا حاصل میں پڑو جو پھر فطرت کے منافی ہے۔ امریکن سوشیالوجسٹ وارڈ کا قول ہے کہ تخلیق کے سمندر کے کناروں پر

نہ معلوم کس قدر ہڈیاں چورا ہو کر رہ گئی ہیں یہ اُن لوگوں کی ہیں جو خلاف
فطرت عمر کی کشتی کو پار لگانے کی کوشش میں تھے ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا
ویسی ہی ہو جیسا ہونا چاہیے تو جھوٹ کو چھوڑو اور سچ کو ویسا ہی دلاویز بناؤ
جیسا جھوٹ ہے اس کو ساری کرو اور اس کو متعدی کرو اس میں وہ قابلیتیں
پیدا کرو جو جھوٹ کی بیماری میں ہوتی ہیں ۔ یعنی اُڑ کر لگ جائے اور کوئی شخص
سانچ کی آنچ سے بچ نہ جائے ۔ اگر وارڈ کی صلاح ماننے کے قابل ہے تو چاہے
تعصب آنکھوں پر پردے ڈالے رہے چاہے غلط تعلیم بجلی چمکاتی رہے لیکن ماننا
پڑے گا کہ ہم جو تقلید معاشرتی معاملات میں کر رہے ہیں وہ غلط ہے ۔

ہمارے اوپر یہ بھی اعتراض عائد کیا جاتا ہے کہ ہم عورت کی قدر نہیں کرتے
معترضین سے کوئی پوچھے کہ آپ اتنی قدر کرتے ہیں مگر آپ کے قانون نے
بی بی کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا ہے کہ اگر شوہر بلا وصیت مر جائے
تو وہی پیاری بی بی متروکہ میں سے کچھ نہ پائے ۔ اگر عورت سے مراد صرف بی بی
ہے اور چاہنے سے مطلب صرف چڑیوں کی طرح چہچہانا ہے تو واقعی معترضین سچ کہتے
ہیں اور ہم غلطی پر ہیں ۔ لیکن اگر عورت میں ماں اور بہن بھی شریک ہیں جو دوبارہ
نصیب نہیں ہو سکتیں تو ازدواجی رشتے قائم ہونے کے بعد ان سے کم خاطرت
یا علیحدگی قابل تحسین نہیں کہی جا سکتی ۔ ہر شخص کی اقتصادی معاشرتی ۔ ملکی ۔
اخلاقی ضرورتیں اس کو مجبور کرتی ہیں جن سے ہم کو واسطہ نہیں لیکن یہ
کوشش ہر ہندوستانی کا فرض ہے کہ وہ اپنے نوجوانوں کو ان دلاویز مغالطوں
سے بچائے ۔ کیونکہ کئی شادیاں کرنا اس سے تو ضرور غنیمت ہے کہ آدمی شادی
ایک ہی کرے لیکن اپنے اختیارات وسیع کر دے ۔ ایک قوم کے اصول اخلاق
و مذہب معاشرت دوسرے سے جدا ہوتے ہیں وہی باتیں جو ایک کے لیے تریاق

ہیں ممکن ہی دوسرے کے لیے زہر ہوں۔ عیسائیوں کا فرقہ جو مارمنز کہلاتا ہے اسی کو لے لیجئے۔ ان لوگوں کے ہاں متعدد شادیاں عام طور سے رائج ہیں اور یہ نہایت کامیاب قوم مانی جاتی ہے۔ تجارت۔ زراعت اور دیگر حرفتوں میں بہترین قوموں کی ٹکر کے سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے یہاں زنا کاری کوئی خواب میں بھی نہیں دیکھتا جن لوگوں نے اس قوم کے مسائل کو موقعہ پر جا کر بہ نظر تحقیقات دیکھا ہی وہ ان کی شائستگی امن پسندی انتظام صفائی وغیرہ کے قائل ہیں رشک کے معاملہ میں اختلاف ہی لیکن خود مارمن عورتوں کے خطوط مختلف مصنفین نے نقل کیے ہیں جو رشک کو اپنے سے اسی طرح دور رکھتی ہیں جیسے شائستہ خیال لوگ حسد کو یا سپاہی خوف کو بھگا دیتا ہی۔ رشک حسد۔ خوف وغیرہ کا پیدا ہونا فطرت ہی لیکن دوسرے صفات انسانی ان کو دور کرتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے شرع و قانون میں ان باتوں کا گناہ صرف اسی وقت شمار ہوتا ہی جب ان عیوب کی وجہ سے کوئی امر خلاف حکم صادر ہو جائے۔ شادی کے متعلق دو تعلیمیں قرآن کی پیش کی جاتی ہیں۔ جو بات بر بنائے عقل ہو وہ ہر مذہب کے لیے یکساں ہی کوئی مسلمانوں کی تخصیص نہیں۔ پہلا حکم ہی۔ "اپنی پسند کے موافق دو تین شادیاں کرو۔ لیکن اگر خوف ہی کہ انصاف نہ کر سکو گے پس ایک ہی پر قانع رہو۔" یہ حکم نان نفقہ اور دوسری ظاہری برتاؤ کے لیے ہی یعنی اگر تم دونوں کی کھانے کپڑے خبر گیری توقیر وغیرہ کے معاملات میں ایک حیثیت سے نہیں رکھ سکتے تو کئی شادیاں مت کرو۔

دوسری تعلیم یہ ہی کہ تم اگر کوشش بھی کرو تو عورتوں کے بیچ میں انصاف کرنے پر ہرگز قادر نہیں ہو۔ پس بالکل ایک ہی کی طرف ایسا نہ جھک پڑو کہ دوسری کو چھوڑ بیٹھو جو بیچ ادھڑ میں لٹکی معلوم ہو۔ اس آیت میں دل کے رجحان کی طرف

اشارہ ہو یعنی ظاہری برتاؤ میں برابری ممکن ہو مگر لازمی طور سے ایک کی محبت زیادہ ہوگی۔ اس لیے یہ حکم دیا گیا ہو کہ فرائض کا خیال کرکے دوسری بیبیوں کو بھی چاہتے رہو۔ یہ ایسی فطرت کا خیال کرکے بتایا گیا ہو جس کو دن رات سب جھٹلاتے ہیں اگر اسی صلاح پر عمل کریں تو دنیا میں زنا بھی کم ہو جائے اور عورتوں کی سچی قدر بھی بڑھ جائے سب سے زیادہ نقصان جو دو یا زیادہ بیبیوں میں بتایا جاتا ہو۔ وہ یہ ہو کہ اگر محبت میں ساجھا ہوا تو فردیت کی تکمیل مشکل ہوگی فردیت کی تکمیل سے نہ معلوم کیا مراد ہو شاید یہ ہو کہ انسان بجائے خود ایک مکمل ہستی ہو لیکن وہ اسی وقت ممکن ہوسکتی ہو کہ جب اسے ہر پہلو سے ایسا بنائے یعنی تمام حقوق و فرائض کا توازن قائم رکھے۔ میں پوچھتا ہوں کہ فردیت کی تکمیل ایسی بی بی کے ذریعہ سے کیونکر ہوسکتی ہو جو دھوکے میں رکھی جاتی ہو۔ محبت واقعی فردیت کی تکمیل کرتی ہو مگر محبت اور فطرت یا صداقت میں تال میل بھی ہو۔ فردیت کی تکمیل کا سہرا صرف بی بی کے سر کیوں ہو۔ اگر کوئی اپنی اولاد کو اُس کا حق نہ دے اور بی بی سے خوب محبت کرے تو فردیت کی تکمیل کیونکر ہو جائے گی۔ شکسپیر نے کنگ لیئر کے ڈرامے میں بتایا ہو کہ خواہ کوئی ہو اگر اس کے حق سے اس کو زیادہ دینا چاہوگے تو ایسا ہی گناہ کروگے جیسا اگر کم دینا چاہتے۔ اگر آدمی انصاف پر نظر رکھے تو ہر فرد کو اس کا حق دیسکتا ہو اگر بے انصافی پر نظر رہی تو کسی حقدار تک حق نہ پہونچے گا فطرت نے وہ انتظام کیا ہو کہ اگر انسان اُس کا حکم مانتا رہے تو چاہے عورت ہو چاہے مرد سب کو صحیح آسائش نصیب ہوسکتی ہو اگر فطرت سے تفاوت ہوئی تو تمام آرام دہوکا ثابت ہوں گی۔ بہت سے غلط خیالات اُس تعلیم کا لازمی نتیجہ ہیں۔ جو ہم لوگوں کو دی جاتی ہو کہ جس میں نہ ہندوستانی خیالات پختہ ہوتے ہیں۔

نہ انگریزی اور ہم لوگوں کی حالت اُس آدھے کچے آدھے پکے پھل کی سی رہ جاتی ہے جس کو کھیل میں لڑکے توڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ اسی تعلیم کے مارے ہوئے بابو کہلاتے ہیں۔ گسٹیو لیبان۔ فرانسیسی محقق تمدن ہند میں ہم لوگوں کو بابو کے نام سے تعبیر کر کے حسب ذیل خیالات ظاہر کرتا ہے۔

"گذشتہ چالیس پچاس برس میں اس انگریزی تعلیم کے پیالے بڑی مقدار میں لوگوں کو پلائے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک نو کھا جدید فرقہ ملک میں پیدا ہو گیا ہے جو بابو یا انگریزی تعلیمیافتہ کے نام سے مشہور ہے۔ . . . . . . بابو ایک عجیب برزخ ہے۔ اس کی دماغی اور اخلاقی حالت عجیب قسم کی ہے۔ ہم اس کے مطالعہ سے معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ ایک قسم کی مصنوعی قوم کا فرد ہے۔ جس کے خصائص نہایت عجیب ہیں۔ بابو پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ تعلیم جس کو ہم زمانہ حال میں تمام برائیوں کا علاج سمجھے ہوئے ہیں جب بلا رعایت متعلموں کے دماغ کے دیجائے تو کیسے بُرے نتائج اس سے ظہور میں آتے ہیں۔ دماغی اور اخلاقی حالت کے لحاظ سے بابو کی مثال ایک ایسے جہاز ران کی ہے جس کا قطب نما گم ہو گیا ہے۔ جو الفاظ اس کے دماغ میں جمع ہو گئے ہیں وہ اس کے سامنے ایسے خیالات کے مترادف ہیں جو اس کی سمجھ کے لئے اجنبی اور ناموزوں ہیں۔ . . . . . . کوئی بات ایسی متعجب کرنے والی نہیں جیسے کہ بابو کے غیر مسلسل و پراگندہ خیالات کی روانی اس کے بے مُہار ذہن میں و شنو، شیو، مشتری۔ پرنس آف ویلز، یونان و روم کے مشاہیر۔ قدیم جمہوری ریاستیں موجودہ بادشاہتیں۔ اور اسی قسم کے صدہا غیر مسلسل و پراگندہ خیالات اس طرح پراگندہ ہیں جیسے فضائی ذرّے جن کو ہوا جدھر چاہتی ہے اُڑائے لئے پھرتی ہے۔ جدید خیالات کی تعبیر وہ اپنے قدیم موروثی خیالات کے مطابق جو اُسکے ذہن میں بیٹھے ہوئے ہیں اور جن تک ان کی رسائی ہے کرتا ہے اور اُس پر طرّہ یہ ہے کہ وہ اس نئی تعلیم کی بدولت قدیم خیالات کو بھی ٹھیک طور پر نہیں سمجھتا۔ . . . . اسی کے ساتھ اگر ایک بابو کا کسی پُرانے دیسی طرز کے تعلیم یافتہ پنڈت سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت اس کے مقابلہ میں کیسا سنجیدہ لائق۔ اور خوش آداب و اخلاق ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی ہمارے یورپی جلسے میں کھڑا کر دیا جائے تو خود بخود اس کی عزت و وقار دلوں میں پیدا ہو۔ بخلاف اس کے بابو کی نقلی شخصیت اور اس کے غلامانہ تعلق سے نفرت ہوتی ہے۔" مترجمہ سید علی بلگرامی مرحوم

ڈاکٹر انند کو مرسوامی۔ اپنی کتاب میں اسی کی طرف اشارہ کرکے ہمارے معترضین کو جلی کٹی باتیں سناتا ہے کہ اب تم لوگ ہم کو ہنستے ہو حالانکہ تم نے خود غلط تعلیم کا طریقہ جاری کرکے بابو طیار کیا ہے جو تمھارے ہی کینڈے پر بنا ہے۔

ایک رکاوٹ رشک کے دھڑکے سے بھی دل میں پیدا ہوتی ہے واقعی رشک و رقابت ایک ناگوار پہلو اہلی زندگی کا ہے۔ مگر دنیا بہشت نہیں ہے البتہ یہاں ٹھیک کام کرنے سے ممکن ہے کہ بہشت کا راستہ سیدھا ہو جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بھائیوں بھائیوں میں بھی رشک ہوتا ہے اور اگر ماں باپ اپنا فرض ٹھیک طور سے ادا نہیں کرتے تو بھی رشک بعد کو صلہ رحم قطع کرا دیتا ہے۔ لیکن ماں باپ جیسا ہونا چاہیے ویسے ہوئے تو رشک مساعدت اور محبت سے بدل جاتا ہے جس کی وجہ سے بھائی بھائی کا غم بانٹ کر آدھا کر دیتا ہے اور خوشی میں شریک ہو کر دوگنی کر دیتا ہے اگر شوہر بھی ویسا ہی ہو جیسا موجودہ تعلیم میں ناممکن ہے تو عورتوں کو اُن کا حق دے کے راضی رکھے اور ماں بہن بی بی میں عدل و قسط کرے یہی رشک جو راون کی طرح بہت سے ہولناک چہرے لیے ہوئے ہم کو خائف کر رہا ہے۔ نیا برن بدلے اور بجائے زندگی تلخ کرنے کے آرام زیادہ کر دے۔ سوتیا ڈاہ جو اختو بختو کی لڑائی میں دکھائی دیتی ہے عورتوں کو یہ سکھائے کہ گھر کا انتظام ایک سے ایک بڑھ کر کرے۔ شوہر کی دلجوئی میں ہر وقت مقابلہ رہے لڑکوں کی تربیت اور تعلیم میں روز افزوں ترقی رہے گھر کو چار چاند لگ جائیں اور شوہر کا سر آسمان افتخار میں جا لگے اسی لیے سعدی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ 'مردیت بیآزمائے وآنگہ زن کن' ایک چشم دید حکایت عرض کرتا ہوں۔ میرے ایک عزیز جن کی تعلیم ایک مدت مدید تک سرزمین عراق میں ہوئی تھی اپنے گھر واپس تشریف لائے اور پشتینی جائداد جو بہت

قلیل رہ گئی تھی اس پر یہ ہزار قناعت گزران کرتے تھے۔ چونکہ وہ انگریزی
ناولوں سے نا واقف تھے فطرت کے صحیح تقاضے کو سمجھ گئے اور ایک دوسرا
عقد کر لیا۔ میں نہیں عرض کر سکتا کہ کیا چھپے ہوئے انسانی صفات عود کر آئے
ہمت زیادہ ہوئی نتیجہ بڑھ گیا۔ خوشی دگنی ہو گئی چہرے کی شکنیں غائب ہو گئیں
جو وقت دفینہ ملنے اور معجزات ہونے کے انتظار میں کٹتا تھا معاش کے زیادہ
کرنے کی ادھیڑ بن میں صرف ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گھر میں واقعی رونق
زیادہ ہو گئی اور آمدنی بڑھ گئی چونکہ شرع کے پابند تھے۔ لہذا ایک کو
اچھا کپڑا پہنانا چاہتے تھے تو محنت کر کے دو کے لیے مہیا کرتے تھے۔ جلاپے
کا یہ حال تھا کہ دونوں ہر وقت اس آگ میں جلتی تھیں کہ کون زیادہ لاڈ اری
کرتی ہے اور کون دوسری سے زیادہ ہنس مکھ ہے ۔

رشک چہ کتی ست کہ پیش مرداں بہ آید

ایک سے زیادہ بی بی کے ذکر پر لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ اگر مرد ایک
سے زیادہ شادی کرے تو عورت بھی کیوں نہ کرے جو شخص علم الجنس سے
واقف ہے وہ ایسا نہیں کہہ سکتا مرد پر مجامعت کا دائمی اثر نہیں پڑتا عورت
جس مرد کو پہلے پہل چاہے گی اُس کی تصویر اپنی ذات میں ہمیشہ لیے رہیگی
خود بلاک کو (جس کی کتاب صفحہ ۲۰۱ سے یہ مضامین لے رہا ہوں)
یہ بات پسند نہیں آئی ہے مگر علم و انصاف سے مجبور ہو کر اعتراف کرتا ہے کہ
زمانہ قدیم کا تجربہ بھی بتاتا ہے خصوصاً اگر عورت کے لڑکا ہو چکا ہے۔ اور
جی لومر کی کتاب لو اینڈ سائی کوسس کا ذکر کر کے ۔ ایبرس ٹانٹ کا قول
نقل کرتا ہے جو متذکرہ بالا مسئلہ کی پوری تائید کرتا ہے۔
طب یونانی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ استقرار حمل کے زمانے میں جس مرد

کا خیال عورت کے دل میں ہوتا ہے اکثر بچہ اُسی کو پڑتا ہے۔ میرے خیال میں جو لوگ نا سمجھی سے عورت کی طرف داری میں ایسی لغو باتیں کہہ اُٹھتے ہیں اُن سے عورت کی روح خوش نہ ہوتی ہوگی۔ عورت مرد کی طرح ہری چگ نہیں اُس کے جذبات بلند ہیں۔ اُس کے افکار بلند ہیں۔ وہ خدا کی امانت کی امین ہے وہ مردوں کی خامیوں کا کفارہ ہے۔ وہ فطرتاً ایک خصمی ہے۔ نسوانیت کی روح پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔

سس کا تارے بہت ہیں اور تمارن کا سس ایک
ہم اس تم کا بہت ہیں اور ہم کا تم اس ایک

وہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا نہیں کرتی کہ کسی کے دو بیبیاں ہیں یا ایک یوں غلط تعلیم سے جو چاہے سکھلا دیجئے دنیا قائم رکھنا اس کی اصلی غرض ہے اگر وہ اس دھوکے میں ڈال دی گئی کہ کئی بیبیوں سے اس میں ہرج ہوگا تو وہ سوتاپے پر بھی جان دینے کو طیار ہو جائے گی اور خدا واسطے کو جلاپے کا روگ مول لے گی۔

میرے دوستو میں نے اپنے دل کی بھڑاس بہت نکال لی مگر پھر بھی کم نکلی۔ وجہ یہ کہ میں انگریزی خیالات کا شکار ہو گیا۔ اور ہوش تب ہوا جب عمر چالیس بہاریں دیکھ کر پت جھڑ کے قریب آئی یہ مذاق نہیں مرثیہ ہے مجھ کو یاد اور افسوس کے ساتھ یاد ہے کہ کم سنی میں صاحب اولاد ہونے کا حال سنکر مجھ سے ایک انگریز نے طنزاً پوچھا کہ "تمھارے بیبیاں کے ہیں"، اُس وقت میں ایسا یورپ کا پیالہ پیئے ہوئے تھا کہ مجھ کو ناگوار ہوا تھا گویا اس نے کوئی بُری بات کہی تھی اگر اس وقت مجھ کو عقل ہوتی تو بجائے یورپ کی تقلید کے ایشیا کی تقلید کرتا کون جانے کہ باوجود ہزار در ہزار نقائص کے آج سے بہتر نہ ہوتا۔

قدر ایام شباب از فلک پیر بہ پرس
کہ نداند بجز از پیر کسے قدر شباب

ایک زمانہ تھا کہ تمام ان باتوں کو جو اپنے چھوٹے دماغ میں نہ سماتی تھیں
لغو اور غلط تصور کیا کرتا تھا۔ اسی ذیل میں رسول اللہ صلعم کی وہ حدیث بھی
تھی جس میں کسی شخص نے اپنی فلاکت کی شکایت کی تھی اور رسول صلعم نے فرمایا
تھا کہ شادی کر اور اُس نے یکے بعد دیگرے چار شادیاں کیں تب مفلسی دُور
ہوئی۔ قرآن میں ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ۔ میں اس راز کی طرف
اشارہ ہے۔

اب مجھے حدیث متذکرہ بالا کا ویسا ہی یقین ہے جیسے کسی دوسرے قرین
قیاس امر کا۔ جن لوگوں کی شادیاں ہو چکی ہیں اور جنھوں نے قولاً و فعلاً یہ ظاہر
کر دیا ہے کہ ایک کی زندگی دوسرے کے ہاتھ گروین ہے ان کے لیے تو تعدد ازواج
قرین مصلحت نہیں کیونکہ معاہدہ معاہدہ ہی ہے چاہے اسٹامپ پر ہو چاہے
دل کی لوح پر ہو۔ اور خدا کسی کی آس کو نہ توڑے۔ لیکن جن لوگوں کے پاؤں
میں ابھی یہ بیڑیاں نہیں پڑی ہیں وہ اگر چاہیں تو شروع ہی سے دفع دخل کر سکتے
ہیں۔ یہ آج تک کسی نے نہیں کہا ہے اور نہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہر شخص کئے شادیاں
کرے کیونکہ افتاد طبیعت ہر شخص کی ایک نہیں لیکن یہ ضرور ہونا چاہیے کہ
مصنوعی تعلیم کی وجہ سے لوگ اپنے حقوق اور اپنے فرائض میں کمی نہ کریں۔
ایک عالی ہمت بزرگ قوم جو اس وقت تک بقید حیات ہیں ان کا قول مشہور
ہے کہ "جب میرے لڑکے انگریزی پڑھ کر صرف نام کے مسلمان رہ گئے تب
میں نے پھر سے بنی ہاشم پیدا کرنے پر کمر ہمت چست باندھی اور بہمت مرداں
مدد خدا وہ کامیاب بھی ہوئے۔ تعدد ازواج کے اوپر مستقل کتابیں موجود

ہیں جن سے معلوم ہوتا ہی کہ ہر ملک اور ہر زمانے میں ایک سے زیادہ شادیاں عموماً صرف امرا رکیا کیے ہیں۔

غریب جس طرح دوسرے امور میں معذور ہیں اس میں بھی ہیں آج بھی یہی چاہیئے کہ جو لوگ اپنے ملک اور قوم کی یہ خدمت کرسکتے ہیں اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کریں کیونکہ جو لوگ کام کم کرتے ہیں ان لوگوں میں یہ قوتیں دوسروں سے زیادہ ہو جاتی ہیں۔ اور ہر کسے را بہر کارے ساختند میرے مخاطب دل اور دماغ کے تباہ شدہ رؤسا نہیں جو باپ دادا کی ہمت اور بلند نظری کی شہرت پر زندگی گزرانتے ہیں اور عقل و ہنر کا پس ماندہ عیاشی کرکے مٹی میں ملا رہے ہیں بلکہ میرا خطاب اُن رؤسا سے ہی جن کے پاس میراث پدر بھی ہی اور علم پدر بھی جو نہ صرف گندے پو تڑوں کے رئیس ہیں بلکہ اعضا رجوارح ہڈی اور خون کے بھی رئیس ہیں جن کے سر اور سینے پرانے خزانوں کے امین ہیں۔

بہرحال کوئی شادی ایک کرے یا دو چار کرے یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ہم تقلید کس کی کرتے ہیں۔ اگر کسی نے متعدد شادیاں کیں اور مارمنز کی تقلید میں کیں یا کسی نے ایک ہی کی اور یورپ کی تقلید میں کی تو وہ اپنے وطن کی خدمت میں قاصر رہا۔ انہیں مطالب کو ڈاکٹر رابندرا ناتھ ٹگور مدظلہ العالی نے مختلف پیرایوں میں خوب بیان کیا ہی۔ موصوف کی کتاب "ہوم اینڈ دی ورلڈ" میں ایک ہندوستانی خیال رئیس کا ایک دوست ہی جس کے اوپر بدقسمتی سے انگریزی تعلیم کا وہی اثر ہوا ہی جس سے "بابو" کی سند ہاتھ آتی ہی۔ یہ حضرت بڑے قومی لیڈر لکچرار اور اپنے زعم ناقص میں ہندو مسائل کے مفسر ہیں مگر وہی آدھی انگریزی آدھی ہندوستانی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ جتنی غلط تعلیمیں ہم سے گوئے۔ بغاوت۔ غداری کے قبیل کی ہوتی ہیں آپ ہی کے

معجون مرکب دماغ سے نکلتے ہیں اور آخرکار اُس شریف کا گھر ہر پہلو سے خاک میں مل جاتا ہے۔ اس کتاب کا نام "گھر اور دنیا" نہایت خوب رکھا گیا ہے جس طرح ایک شخص کی وجہ سے ایک گھر خاک میں مل گیا اسی طرح غلط تعلیم سے اگر دنیا تباہ ہو جائے تو تعجب نہیں۔ یہی موضوع گا گیندرناتھ ٹیگور کی تصویر کا بھی ہے جو ملاحظہ ہوں۔ مجھ کو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ بات ختم ہو چکی۔ رات باقی ہے۔ دو باتیں اور عرض کر دوں۔

اکثر حضرات سے یہ بھی سُنا ہے کہ کورٹ شپ نہ ہونے کی وجہ سے ہندوستانی شادی میں رنگینی کی بہار نہیں ہوتی۔ اگر ہندوستان کے مراسم پر ایک خاص رُخ سے نظر کی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ملکی خصوصیات کی پیروی نے ہر چیز کو بوقلموں بنا دیا ہے۔ ہندوستانی لڑکی کی زندگی بیاہی عورت سے بالکل مختلف ہوتی ہے اس کا کھانا، کپڑا، برتاؤ سب دوسرے طرح کا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے شادی کی اہمیت اس کے دل پر ایسی ہوتی ہے کہ کورٹ شپ کے طریقے میں ممکن نہیں۔ پھر مراسم جو اسی غرض سے رکھے گئے ہیں اس کی دلی کیفیتوں کو ایک خاص طرح سے چمکاتے ہیں۔ شادی کے پہلے عورت کے خاص خوشبوئیں لگائی جاتی ہیں جن سے جلد نرم اور چمک دار ہو۔ مختلف مراسم مختلف گانے قربانی کو سراہتے میں اور ترقی نوع پر اس طرح سے تیار کرتے ہیں کہ عورت میں نسوانیت بڑھ جائے نہ یہ کہ ملنے کے شوق میں دلہن دولہا ہو جائے۔ لارڈ لے ٹن کی مشہور تصویر "ویڈڈ" "یعنی شادی شدہ" میں دولہن کی آنکھیں ایسی بنائی ہیں جس کو دیکھ کر دولہا کی آنکھیں نیچی ہو جائیں۔ واقعی اس قسم کی رنگینی سے بیچاری ہندوستانی عورت بہرہ ور نہیں۔

آٹو وائننگر نے عورتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک وہ جس میں مادریت

غالب ہوتی ہے اور دوسری وہ جس میں معشوقیت غالب ہوتی ہے۔ "ماں عورت"
اپنے حقیقی فرض یعنی اولاد پیدا کرنے کی خواہش میں مرد پر انتخابی نظر ڈالتی
بلکہ اپنی غرض پوری کرنے کے لیے ایک مرد کو قبول کر لیتی ہے اور اسی میں منہمک
رہتی ہے۔ معشوق عورت زندگی بھر کے ساتھ پر نظر کر کے انتخاب کرتی ہے اور ہر
مرد کو شوہر نہیں بنانا چاہتی نہ اپنی انانیت کی وجہ سے قربانی کے وہ صفات
رکھتی ہے جو ماں عورت میں ہوتے ہیں۔ کوئی عورت نہ بالکل معشوقیت رکھتی ہے
نہ بالکل مادریت بلکہ جس میں جو پہلو غالب ہوتا ہے وہی کہلاتی ہے۔ ہندوستان میں تو بہت
کوشش ہے کہ آٹو وائننگر کی تقسیم کے موافق جو معشوق عورت ہو وہ بھی تربیت سے ماں عورت ہو جائے
اسی لیے جب مرد دلہن کے مکان کی طرف چلتا ہے تو مردانگی کی عظمت اس کے
چہرے پر چمکائی جاتی ہے اور حسب رواج اگر عورت کی طرف سے لوگ آتے
ہیں تو وہ بھی شوہر کے برتر حقوق کا پتہ دیتے ہیں۔ تقریباً ہندوستان بھر
میں کسی نہ کسی خوبصورت پیرایہ میں یہ ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ آج سے بچپن کی زندگی
کو عورت نے خیرباد کہا۔ اور فرائض مادری کے اُٹھانے پر طیار ہو گئی بزبان حال
سے وہ گڑیوں سے رخصت ہوتی ہے اور اپنی سہیلیوں سے رخصت ہوتی ہے اور
ماں باپ سے کہتی ہے کہ لو خدا حافظ تمھاری محبتوں کا شکریہ ہے مگر میں جس کام
کے لیے پیدا کی گئی ہوں وہ میرا فرض اصلی ہے۔ تم نے میرے حق میں کوتاہی نہیں
کی۔ خدا ایسا کرے کہ مجھ سے بھی حقوق شوہری میں کوتاہی نہ ہو آج تک اس
گھر کے دیوتا میرے دیوتا تھے۔ اور یہ گھر میرا گھر تھا۔ آج سے میرا دیوتا دوسرا
ہے اور میرا گھر دوسرا ہے۔ اس صبح کے انتظار میں رات سوئی نہیں آج کی رات
اپنے شوہر کی خاطر سے جاگوں گی اور صبح دیکھ لینا کہ میں بالکل دوسری ہو جاؤنگی
اور جس رنگ میں میرا شوہر رنگا ہے اُسی رنگ میں رنگ جاؤں گی آگ جو ترقی

نوع کی ایک برکت والی نشانی ہے درمیان میں ہوتی ہے۔ اگر یہ نہیں ہوتا تو مہندی اور سندور شہابہ رنگ اس عنصر عظیم کی نیابت کر کے اپنا کام کرتے ہیں۔ جب دُلہن گھر میں آتی ہے تو پہلی کے پاؤں برکت کی اونچائی دیتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں بھی عورت کے پاؤں دھو کر شوہر وہی پانی گھر میں چھڑکتا ہے جس سے وہی برکت مقصود ہوتی ہے۔
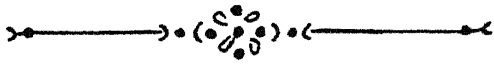
فصل سوم

سوزاک وہ بیماری ہی جس میں پیشاب کے راستہ مواد آتا ہی عورت اور مرد دونوں کے ہوتا ہی اور انگریزی تحقیقات کے موافق صرف اسی طرح ہوسکتا ہی کہ اس کا زہر ایک فریق کے عضو تناسل سے نکل کر دوسرے کے اندر پہنچ جائے۔ یورپین تحقیقاتیں اس قدر کوشش اور قابلیت سے کی جاتی ہیں کہ اُن کے احسان سے بنی نوع انسان سبکدوش نہیں ہوسکتے مگر دیکھا گیا ہی کہ ہزاروں آدمی جب اس نامراد مرض میں گرفتار ہوتے ہیں۔ تو اپنی بے قصوری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جو شخص زنا کا مرتکب ہوسکتا ہی وہ جھوٹ بھی بول سکتا ہی لیکن پھر بھی کوئی انتہا ہی آخر کہاں تک لوگوں کے نسبت دروغ باقی ہی کی رائے قائم کرتے چلے جائیں گے۔ اسی ضمن میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہی کہ طب یونانی وغیرہ کی رو سے یہ مرض احتلام یا چوٹ وغیرہ سے بھی ہوسکتا ہے تقریباً پچاس برس ہوئے نیسر نامے محقق نے ایک خاص جرثوم دریافت کیا جو سوزاکی مواد میں ہوتا ہی اُسی وقت سے یہ طے پایا ہی کہ جس سوزاک میں کیمیاوی ترکیب سے یہ جرثوم فاعلی حالت میں پایا جائے تو یقین کرنا چاہیے کہ اصل بیماری ہی جو عموماً گناہ کی راہ سے آتی ہی۔ اور جب انفعالی حالت میں پایا جائے تو بہتیری چوٹ وغیرہ کی وجہ سے ماننا چاہیے۔ چوٹ وغیرہ کی وجہ سے ہے تو اس کا علاج بھی سہل ہوتا ہی اور تکلیف بھی کم ہوتی ہی اس مقام پر یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ایک گروہ خود یورپ میں ایسا موجود ہی جو سرے ہی سے جرثوم کے نظریہ کو خیالی تصور کرتا ہی۔ اگر ہینیمن اور اس کے امریکی شاگردوں کو چھوڑ بھی دیجئے تب بھی سیکڑوں لائق فائق لوگ اس کے

منکر موجود ہیں۔ اس کے خلاف برنارڈ شانے اپنے ایک طویل دیباچہ میں مبسوط بحث کی ہے۔ حالانکہ وہ ہینمن کو بھی اسی طرح چٹکیوں میں اُڑاتا ہے۔ جیسے دوسروں کو۔ قامیاں جرثوم کے تازہ ترین دریافت یہ ہے کہ ہر بیماری کے جراثیم انسان کے جسم میں موجود ہیں۔ لیکن صرف انفعالی حالت میں رہتے ہیں اور مرض پیدا کرنے میں قدرت نہیں رکھتے۔ جب باہر سے زہر آکر ان میں ملتا ہے تب وہ فاعلی صورت اختیار کرتے ہیں اور بیماری کا راج ہو جاتا ہے جو لوگ اس میں شک لاتے ہیں وہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ ہوتا تو تندرست جسم پر حملہ کرتے وقت زیادہ سے زیادہ فوج جرثوم کی ہونی چاہیے تھی نہ کہ بعد کو حالانکہ ہوتا یہ ہے کہ جوں جوں مرض اپنے کمال کے درجہ کو پہنچتا جاتا ہے اسی نسبت سے جراثیم بھی تعداد میں زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ اور پھر اسی طرح کم بھی ہو جاتے ہیں۔ لہذا جرثوم بیماری کا باعث نہیں قرار دیے جاسکتے۔ بلکہ یہ دافع مرض ہیں۔ کیونکہ جب جسم پر بیماری کا حملہ ہوتا ہے تو حفاظت خود اختیاری کی بنا پر طبیعت خود جراثیم میں فاعلی قوت پیدا کر دیتی ہے کہ وہ بیماری کو کھا جائے اور اسی وجہ سے بیماری کے ساتھ اُن کی تعداد بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔ متذکرہ بالا معترضین مثال کے طور پر یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی چیز میں تعفن زیادہ ہو جاتا ہے تو فطرت اس میں کیڑے پیدا کر دیتی ہے۔ اور کیڑوں کے ہوتے ہی تعفن کم ہو جاتا ہے۔ یہ روز کا مشاہدہ ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ بد تمیز گھروں کی موریوں کو دیکھ لیجئے جہاں سونڈے رینگنے لگے بو کم ہو گئی۔ ڈاکٹر میکنی کاف جن کے دہی کا دور دورہ تھا وہ بھی فرماتے ہیں کہ ہمارے دہی (ملکر نیر کلمر) میں جو کیڑے ہیں وہ امعا میں اپنی نوآبادی بناتے ہیں۔ ظاہراً میں اپنے موضوع سے دور جا پڑا لیکن واقعاً ایسا نہیں ہوا بلکہ اس بحث سے میرا مدعا صاحب ذیل تھا بیمار سے ہمدردی ہر تندرست

کا فرض ہی لیکن بعض بیماریاں ایسی ہیں جن کا احوال آدمی بحیثیت ایک ہمدرد یا
تیمار دار کے سنتا ہی مگر اس کے بعد بلا پروانہ شاہی قاضی بن جاتا ہی اور بیمار
کو اخلاقی مجرم ٹھہراتا ہی۔ یہ فعل بمقام قضا بہت مستحسن ہی لیکن اپنی جگہ سے ہٹکر
نہایت ہی مذموم ہی، لہذا جس وقت آپ کے احباب میں کوئی بدقسمت یہ کہے
کہ میں ناکردہ گناہ پکڑا گیا ہوں تو اس غریب کے لیے حسن ظن ہی سے کام
لیجیے، کیونکہ اختلافات متذکرہ بالا کے بعد اس کے جرم میں شک کیا جا سکتا ہی۔
اور اگر نہ بھی کیا جائے تو بھی آپ کو خدا کا شکر بھیجنا چاہیے کہ وہ اسباب و نتائج
آپ کے لیے اکٹھا نہیں ہوئے جن کا شکار وہ ہو گیا۔ ایسے موقعوں پر ڈاکٹر لوگ
اپنی نظر نہایت وسیع کر دیتے ہیں۔ اور بجائے مریض اور اُس کے ناشائستہ
افعال پر غور کرنیکے وہ یہ سوچتے ہیں کہ مرض اور تندرستی میں مقابلہ ہی مرض کی
فتح میں نوع انسان کی شکست ہی یہی پہلو غیر طبیب کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے یہ
بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اگر آپ نے یہ رویہ نہ اختیار کیا تو آفت کا مبتلا غریب اچھا
ہی نہ ہوگا کیونکہ زیادہ خرابی اس طرح کے امراض میں یہی ہوتی ہے کہ ابنائے
جنس کی نظر میں جانے کے خوف سے آدمی کھلم کھلا علاج معالجہ میں دوڑ دھوپ نہیں
کر سکتا۔ اور یہ حالت اُس وقت تک نہیں مٹنے کی جب تک لوگ مجرم اور سزایاب
میں فرق نہ کریں گے۔ مجرم اُسی وقت تک مجرم ہی جب وہ جرم کر رہا ہی اُس وقت
مجرم نہیں جب وہ غریب سزا کاٹ رہا ہی۔ اسی بنا پر بعض حکمائے اسلام نے یہ
حکم دیا ہی کہ قیدیوں کو تماشا مت بناؤ پھر اصل مطلب کی طرف عود کرتا ہوں
سوزاک کا زہر پیشاب کی نالی میں پہنچ گیا تو دو سے لے کر چھ دن کے اندر وہاں
ایک زخم ڈال دیتا ہی پہلے آدمی کو پیشاب کرتے وقت ایک کیفیت تیزی اور
گرمی کی محسوس ہوتی ہی لیکن پیشاب کچھ ایسا زیادہ نہیں ہوتا یہ کوشش فطرت

کی طرف سے مرض کو دھو ڈالنے کے لئے ہوتی ہے ایسے ہی وقت میں آدمی فریق ثانی
کو سوزاک کی نشانی دیتا ہے اور خود بے خبر رہتا ہے۔ اگر آدمی پیشاب کے راستہ
کا منہ کھول کر دیکھتا ہے تو اندرونی جلد معمولی سے زیادہ سُرخ معلوم ہوتی ہے
رفتہ رفتہ آماس بھی ہو جاتا ہے۔ اب سوزش بھی بڑھنے لگتی ہے اور رقیق مادہ بھی
خارج ہونے لگتا ہے بسا اوقات یہی دھبے سفید کپڑے پر دیکھ کر آدمی پہلے پہل خبر
ہوتا ہے۔ اس کے بعد سوزش میں ترقی ہوتی ہے مواد زیادہ گاڑھا اور زیادہ
مقدار میں آنے لگتا ہے رنگ زرد اور سبزی مائل ہو جاتا ہے راتوں کو تندی
نہایت اذیت دیتی ہے چڈھوں میں گلٹیاں پڑ جاتی ہیں جو زیادہ چلنے پھرنے
سے برخلاف آتشک کی گلٹیوں کے کبھی کبھی پک بھی جاتی ہیں۔ اس حالت کو
(اکیوٹ) یا عنفوان مرض کہتے ہیں۔ اگر آدمی نچلے جا شرم اور گدھے پن کی
رازداری سے کام نہ لیا تو عمدہ باضابطہ علاج سے دس پندرہ دن میں اچھا
ہو گیا۔ مگر ایسے بھاگوان انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں زیادہ تر تو وہی لوگ ہوتے
ہیں جنھوں نے کچھ دن چھپانے کی کوشش کی اس کے بعد کسی عطائی کا نسخہ پینے
لگے اور بعد خرابی بصرہ حکیم ڈاکٹر سے رجوع کیا۔ دس روز کے بعد کا زمانہ سب
اکیوٹ یا وسط حیات کہلاتا ہے۔ اس زمانہ میں آماس جاتا رہتا ہے گلٹیاں کم
پڑ جاتی ہیں اور مواد میں کمی اگر نہ بھی ہوئی تو تکلیف میں کچھ نہ کچھ کمی ضرور
ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں لوگ بہت اچھے ہو جاتے ہیں تیسرا درجہ کرانک
یا سوزاک کے بڑھاپے کا ہے۔ یہ ایک مہینے کے بعد آتا ہے اس کا بڑھاپا دوسروں
کے بڑھاپے سے مختلف ہوتا ہے یعنی جو جو سن بڑھتا جاتا ہے اس بیماری کی امید
زیست قوی ہوتی جاتی ہے۔ ع

پیری کے ولولے ہیں خزاں کی بہار ہے

اکثر آدمی کے ساتھ قبر میں جاتا ہی۔ اسی زمانے میں ایک سفید ریشہ سا
پیشاب میں خارج ہونے لگتا ہے جس کو انگریزی میں کلٹ کہتے ہیں یہ وہ رطوبت
غیر صالح ہے جو پُرانے زخم سے رِستی رہتی ہی اور پیشاب کی نالی میں جمع ہو کر
نالی کے سانچے میں ڈھل کر ایک مہین دھاگے کی طرح کی ہو جاتی ہی اور پیشاب
کے پہلے نکل جاتی ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی کبھی آدمی اپنے کو بالکل اچھا پاتا
ہی اور اگر معاً کسی دوا کے بعد یہ کیفیت پیدا ہوئی تو وہ خیال کرنے لگتا ہے کہ
میں اچھا ہو گیا حالانکہ ممکن ہے یہ بالکل دہوکا ہی ہو کیونکہ پیشاب کی نالی میں ہزار
در ہزار غدود ہیں اور ہر دو غدود کے درمیان میں جوف بھی ہوگا انہیں جوفوں
میں زہریلا مادہ درہ دانیال کی توپوں کی طرح چھپا بیٹھا رہتا ہی جہاں نہ پچکاری
اثر کر سکتی ہی نہ کوئی دوسری ترکیب۔ اور دوران مجامعت میں جس وقت خون
کی کثرت کی وجہ سے ہر جوف کھل جاتا ہی نکل کر دوسرے فریق کو بغیر اطلاع
گھائل کر دیتا ہی۔ پہلی مرتبہ کے سوزاک میں اچھے ہونے کی امید زیادہ ہوتی
ہی لیکن اگر آدمی نے بُری عادتیں نہ چھوڑیں تو ہر نئے زہر کے آنے کے بعد
امید صحت کم ہوتی جاتی ہے پیشاب بند ہونے کا عارضہ جو پرانے زخم کے تنگ
اور رفتہ رفتہ بند ہو جانے سے ہوتا ہی۔ دو تین مرتبہ سوزاک ہونے کے پہلے
نہیں ہوتا اور بعد کو بھی ہر شخص کو نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر کننٹ اور نیز دوسرے
ہومیوپیتھ ڈاکٹروں کا قول ہی۔ کہ یہ مرض زیادہ تر ان لوگوں کو ہوتا ہے جو
تیز دواؤں کی پچکاریاں لیتے ہیں۔ بعض چاندی اور تانبے کے زبردست
مرکبات اگر اب نہیں تو تھوڑے دن اُدھر تک ڈاکٹروں میں رائج تھے
اور اب بھی بعض بے تکے کاہیا وُنڈر وغیرہ محلے والوں کو اس قسم کی دوائیں
بتا کر اس شریف پیشہ کو بدنام کر دیتے ہیں۔ اس موذی مرض کے کارنامے

یہیں نہیں ختم ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی گھٹیا ہو جاتی ہے جس میں درد اور آماس و تورّم کی بہتات ہوتی ہے۔ صرف ہاتھ کے انگوٹھے کے درد سے لے کر پورا جسم تختہ ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں گو افسوس کی بات ہے مثانہ پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ پراسٹٹ گلینڈ پر اس کا اثر ہوتا ہے جس کی تکلیفیں ضعیفی میں نہایت ہی صعب ہوتی ہیں ایپی ڈیڈیمس غدود پر اس کا اثر ہوتا ہے جس سے منی میں توالد و تناسل کے زندہ اجزا نہیں رہ جاتے اور آدمی باوجود تمام باتوں کے صاحب اولاد نہیں ہوتا۔ تمام ان لوگوں میں جو صاحب اولاد نہیں ہوتے تقریباً پچاس سیکڑہ اسی وجہ سے نہیں ہوتے۔ کبھی کبھی قلب پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ کبھی گردوں سے مواد آنے لگتا ہے۔ ریڑھ کی ہڈی پر اس کا اثر ہوتا ہے بعض اعصابی بیماریاں بھی ہو جاتی ہیں۔ عورت غریب پر یہ اس سے زیادہ مصیبت لاتا ہے اُن میں یہ مرض اور زیادہ مشکل ہو جاتا ہے مرد اگر پچاس سیکڑہ اچھے ہوتے ہوں گے تو عورتیں دس سیکڑہ اچھی ہوتی ہوں گی مرد کو سوزاک پیشاب کے متعلق زیادہ نقصان پہونچاتا ہے۔ عورت میں توالد کے اعضا کی طرف تباہی پھیلاتا ہے۔ گو کہ پُرانے ہونے پر عورتوں کو تکلیف کم رہ جاتی ہے۔

اندام نہانی۔ فم رحم۔ رحم۔ خازف نالیاں۔ حصنہ الرحم۔ اندرونی جھلی قصہ مختصر کوئی شے محفوظ نہیں رہتی۔

ایک عارضہ اور بھی ہے جس کا ذکر میں نے اخیر کے لیے اُٹھا رکھا تھا یعنی اگر اس کا مواد آنکھ میں لگ جائے تو پھر چوبیس گھنٹے کے بعد اس کا علاج ناممکن ہے۔ ہر مریض کو اس کی احتیاط ضروری ہے۔ اکثر مریض خصوصاً شروع میں بار بار یہ محسوس کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی تازہ قطرہ مواد کا تو نہیں آیا یا جسم کو بیکلی کی وجہ سے اِدھر اُدھر اُٹھاتے ہیں یا لنگوٹ وغیرہ ٹھیک کرتے ہیں۔

اُن کو چاہیے کہ فوراً ہاتھ دھو ڈالیں۔ کیونکہ اکثر بھولے سے آدمی آنکھ کھجا لیتا ہے۔ ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں کہ اس کا زہر صابون اور پانی سے دُھل جاتا ہے۔ اگر صابون نہ ہو تو مٹی یا بھیگا ہوا چونہ کسی چیز سے مل کر ہاتھ دُھو ڈالا جائے بلکہ بہتر ہوگا کہ ڈاکٹروں کی طرح عادت ڈال لی جائے کہ جب کھجانا وغیرہ ہو تو جہاں تک ممکن ہو ہاتھ کی پشت سے کام لیا جائے۔

ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ اگر آنکھ میں زہر پڑ جائے لیکن وہ پروٹارگل سے دُھو ڈالی جائے تو بچ جائے۔ اسی وجہ سے اگر ماں کو سوزاک ہے تو نوزائیدہ بچے کی آنکھ پروٹارگل، سے دھو ڈالی جاتی ہے۔ تاکہ رحم سے نکلتے وقت اگر آنکھوں پر کچھ اثر ہو گیا ہو تو وہ مٹ جائے۔

ایک کتاب سونیا میرڈ۔ جس میں امریکہ کی ایک کروڑپتی عورت کا حال ہے اِس موضوع پر لکھی گئی ہے اور قابل دید ہے۔

باب دوم

دوسرا سخت مرض جو اعضائے جنسی سے تعلق رکھتا ہی آتشک ہی سوزاک اور آتشک اس طرح کے موذی اور تباہ کن امراض ہیں کہ جس کو دو میں سے کوئی ہوتا ہی وہ اسی کو دوسرے سے زیادہ برا پاتا ہی۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ آتشک سوزاک سے زیادہ مہلک ہی۔ اس کی تاریخ نہایت ہی غیر مکمل ہی پندرہویں صدی کے آخری دہاکے میں یہ مرض وبا کی صورت میں بعض یورپین ممالک میں شروع ہوا اس کے پہلے لوگ اس سے اس قدر ناواقف تھے کہ اُنھوں نے اس کو فساد خون یا جذام کی ایک قسم تجویز کیا۔

بیان کیا جاتا ہی کہ کولمبس کے جہاز پر یہ بیماری امریکہ سے آئی جو لوگ اس خیال کی تردید کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کولمبس کے جہاز نے اپریل ۱۴۹۳ء میں سویل کے بندر میں لنگر ڈالا صرف دو مہینے کے اندر یہ وبا فرانس۔ اٹلی اور شمالی جرمنی تک کیونکر پہونچ گئی۔ اُس زمانے میں ریل نہ تھی۔ دُخانی اور ہوائی جہاز نہ تھے کہ ایک ملک کا مال اس قدر جلد دوسرے ملکوں کی آسائش کے لیے بھیجا جاسکتا پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ بیماری کولمبس نے پھیلائی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نیک چیز نیک کام آج بھی اس قدر جلد نہیں پھیلتے جس قدر بری چیز مشہور یا بُرے کام مقبول ہو جاتے ہیں۔ کیا تعجب ہی کہ اس کی آگ یونہی پھیل گئی ہو کولمبس کی لائی ہوئی دوسری چیز (تمباکو) کس قدر رائج ہوئی ہی کہ جس کی دھواں دھار مقبولیت کے آگے قرآن اور وید سب رہ گئے بڑے بڑے یورپین تحقیق کرنے والے مدعی ہیں کہ ہندوستان وغیرہ میں یہ بیماری پورتگال کی حکومت کے ساتھ آئی اور گو سلطنت گزر گئی مگر اس کی نشانی باقی رہی ہمارے یہاں کی پُرانی

کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اس کے نسخے ہندوستان قدیم میں لکھے جا چکے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہی کہ اگر بالکل یہ نہیں تو اس قسم کا ایک مرض ہندوستان میں پہلے سے رہا ہوگا ایسا ہونا بعید از قیاس نہیں کیونکہ اس سے ملتا جلتا ایک اور مرض ہی جو آتشک کی چھوٹی بہن کہی جاسکتی ہی اگر ہندوستان والوں نے اس مرض کو آتشک سمجھ لیا ہو تو کیا تعجب ہی۔ اس کے مغربی مشہور نام سفلس کی شان نزول یہ ہے کہ ایک اٹلی کے ڈاکٹر نے ایک نظم لکھی جس میں اس نامراد مرض کا پورا حال ایک کسان کی زبانی درج کیا اور اس کسان کا نام سفلس رکھا۔ لیجئے صاحب وہی نام بیماری کا قرار پاگیا۔ جب یورپ کی واقفکاری کا یہ حال ہو تو ایشیا والوں نے اگر سافٹ شینکر کو سفلس سمجھ لیا ہو تو کیا تعجب ہی۔ جس طرح سے سوزاک کے بارے میں خیال ہی کہ بغیر قربت کے نہیں ہوسکتا آتشک کے لیے نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ یہ بیماری اکثر ایک ہی گلاس میں پانی پینے سے حقہ پینے سے ایک ہی برتن میں کھانا کھانے سے یا دوسرے الحاق جو اسی قسم کے ہوں ان سے بھی ہو جاتی ہے جن ممالک میں صفائی اور اصول حفظان صحت کی احتیاط کم ہی وہاں آتشک کے بارے میں کہا جاتا ہی کہ ساٹھ سیکڑہ واقعات اسی طرح پر ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی چھوت میں ہزار دوسری برائیاں ہوں مگر اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے امراض سے ایک حد تک حفاظت رہتی ہی۔ متذکرہ بالا طریقوں سے اگر آتشک ہوئی تو پہلا چھالا عموماً اسی مقام پر پڑتا ہی جہاں سے زہر نے سرایت کی ہی۔ اگر مجامعت سے ہوئی تو یہ زخم اعضائے تناسل پر پڑتا ہی عموماً حشفہ یا اسی کے قریب ڈھیلی کھال پر عورت کے بھی ایسے ہی مقامات پر ہوتا ہی زہر لگنے کے تین خواہ چار ہفتہ کے بعد ایک چھالا پڑتا ہی جو پھوٹ جاتا ہی اور زخم ہو جاتا ہی اس میں مواد نکلتا ہی جو خود بھی بہت زہریلا ہوتا ہی۔ عموماً یہ

ایک ہی ہوتا ہی۔ اگر دو تین زخم ہوں تو گمان غالب ہی کہ یہ سافٹ شینکر ہی،
اس زخم کی پہچان یہ ہی کہ اس کے کنارے اُلٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اگر کلمے
کی انگلی اور انگوٹھے سے اس زخم کے دور کو دبایا جائے تو اچھی خاصی سختی معلوم
ہوتی ہی۔ جو دوسرے زخموں میں نہیں ہوتی۔ اس وقت میں اگر کم عقلی اور بدبختی سے
آدمی نے کام لیا تو بیماری اور سرایت کر جاتی ہی۔ اگر فوراً کسی لائق طبیب سے رجوع
کر لیا تو ممکن ہی کہ زہر آگے نہ بڑھنے پائے یا اس قدر کم بڑھے کہ اُس کا دور کرنا نسبتاً
سہل ہو اس مرض کی ترقی شروع زمانے میں برابر معلوم ہوتی رہتی ہی پہلے جڑہوں
میں گلٹیاں پڑیں جس کا مطلب یہ ہی کہ غنیم نے یہاں قبضہ کرکے اپنی چوکی بٹھادی
ہی۔ پھر بغل میں گلٹی محسوس ہوئی لیجیے صاحب اب یہاں تک قبضہ ہو گیا پھر
گردوں کے غدود میں درد ہوا گویا یہاں بھی اس کا راج ہو گیا سات ہفتے گزرنے
پر حرارت محسوس ہونے لگتی ہے۔ طبیعت گرتی جاتی ہی جی نڈھال رہتا ہی اعضا شکنی
درد سر بھوک کم لگتی ہی۔ اس کے بعد دوسرا درجہ شروع ہوتا ہی۔

اس میں تمام جسم پر تانبے کے رنگ کے دانے پڑ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ بھی
ہوتا ہی کہ مرطوب جھلیوں پر جیسے منہ۔ زبان۔ یا پاخانہ کے مقام پر زخم یا کھرنڈ
سی معلوم ہوتی ہی۔ جو کبھی کبھی ترقی کرکے بودار زخمی شے ہو جاتے ہیں۔ حلق میں
درد شروع ہوتا ہی جو بہت تکلیف دہ ہوتا ہے بعض اوقات متذکرہ بالا علامات
آدمی معمولی سمجھتا رہتا ہی اور حجاب کی وجہ سے ابھی تک کسی کو آگاہ نہیں کرتا۔
مگر حلق کی تکلیف چونکہ اور وجوہ سے ہوتی ہی۔ لہذا ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔
اس درجہ پر پہنچ کر اکثر دیکھا گیا ہی کہ پیشانی پر جہاں بال جمنا شروع ہوتے ہیں
وہاں بھوری یا قریب قریب سفید چتیاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اور گلے میں
بھی یہی حال ہوتا ہی۔ یہ علامت بلا شک و شبہ آتشک کی ہوتی ہی۔ اور صرف

عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ بال گرنے لگتے ہیں۔ اور یہی نہیں کہ کنگھی کے ساتھ یا دھونے ہی میں گریں بلکہ بالخورے کے ایسی چکنی چکنی جلد کھل جاتی ہے۔ اس درجے پر پہنچ کر آتشک کا عملہ دخلہ اندر باہر مکمل ہو جاتا ہے۔ جگر خراب ہو جاتا ہے گردے ماؤف ہو جاتے ہیں حافظہ جواب دے دیتا ہے۔ طحال بڑھ جاتا ہے۔ آنکھیں خراب ہونے لگ جاتی ہیں۔ اگر قرار واقعی دوڑ دھوپ نہ کی گئی تو یہی علامتیں اور زیادہ ہوتی گئیں۔ اور بیماری کا تیسرا دور شروع ہو گیا۔ اس درجے میں بھی دانے وغیرہ بڑے موذی صورتیں پکڑتے ہیں۔ حلق میں آماس زیادہ ہو کے زخم ہو جاتے ہیں۔ کوا گر جاتا ہے۔ بانسہ بیٹھ جاتا ہے۔ تالو میں چھید ہو جاتا ہے۔ سفید سفید چھیچھڑے منہ سے نکلا کرتے ہیں۔ بو کی انتہا نہیں رہتی۔ آدمی موت مانگتا ہے مگر نہیں ملتی۔ اس کے بعد بھی مرے کو ماریں شاہ مدار۔ فرصت نہیں ہوتی۔ دق۔ فالج جنون۔ گردوں میں مواد سب ہی گتیں ہو جاتی ہیں۔ تیسرے درجہ تک تو علاج آتشک ہی کا رہتا ہے۔ مگر آخری والے درجے میں ہر عارضہ بجائے خود مرض ہو جاتا ہے۔ اور علاج علیحدہ علیحدہ کرنا پڑتا ہے۔ یہاں تک تو گنہگار سزا بھگتا ہے اب ناکردہ گناہوں کی باری آتی ہے۔ بی بی بیچاری تو یقیناً بہت زمانہ ہوا کہ گرفتار ہو چکی ہے کیونکہ شروع کے دو برسوں میں یہ مرض نہایت ہی ساری ہوتا ہے اور اگر کوئی خوش نصیب ایسی ہوئی کہ اس زمانے میں بچ نکلی تو بعد کو نہ بچی کیونکہ چاہے جس قدر دن ہو جائیں جب اس بیماری کے آثار جسم پر عود کر آئیں گے تب ہی زہر میں دوسرے کے لگ جانے کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ یہ نہ ہوا تو جب لڑکا پیدا ہوا اکثر دودھ پلانے کے زمانے میں ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یورپ میں پچاسوں رپورٹیں شفاخانوں کی موجود ہیں جن میں ماں بچ گئی اور انا بیچاری تباہ ہو گئی۔ فرانس کے مشہور عالم ڈراما نویس (بریو) نے ایک ڈراما اسی مضمون

پر لکھا ہی جس کا نام ڈیمجڈ گڈس ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ڈرامے بھی اس کے جنسی معاملات پر ہیں جو واقعی پڑھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اب اس کے بعد لڑکوں کی باری آتی ہی زیادہ تر کو ایام حمل پورے نہیں ہونے پاتے اور اسقاط ہو جاتا ہے۔ اگر بدنصیبی سے پیدا بھی ہوا تو نتیجا کمزور جسم پر جھریاں پڑی ہوئیں جیسے سوکھے کا مارا جسم پر چھالے خصوصاً ہتیلی اور تلوں پر ہڈیاں بھی ٹیڑھی ہو جاتی ہیں۔ دانت بہت جلد یا بہت دیر میں نکلتے ہیں۔ جو سیاہ اور بیچ میں کیڑے کھائے ایسے ہوتے ہیں دو پشتوں تک اس عارضہ کا اثر اچھی طرح دیکھا گیا ہی یہاں تک کہ آتشک زدہ عورتوں کی لڑکیاں بھی اسقاط حمل سے مری نہیں۔

یورپ کی تحقیقات سے مردوں میں یہ عارضہ بیس اور چھبیس برس کے درمیان میں زیادہ ہوتا ہی اور عورتوں میں اٹھارہ اور بیس کے درمیان میں۔ لیکن ہر وقت ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے۔ الفرڈ فورنیر کی کتاب اور نیز ریو کی تصنیفات ملاحظہ ہوں۔

ایک دوسرا عارضہ سا رہ جو آتشک سے ملتا جلتا ہوا ہی۔ سافٹ شینکر کہلاتا ہے یہ بھی سوزاک کی طرح ایسا کھیل ہے جو بغیر دو کے نہیں کھیلا جا سکتا۔ عموماً عضو تناسل پر ایک دانہ پڑتا ہی جو زہر لگنے کے دو ہی تین دن بعد پیدا ہو جاتا ہی۔ یہ دانہ بھی قریب قریب آتشک کے دانہ کی شکل کا ہوتا ہی۔ اور ناواقف لوگ اس عارضہ سے بمقابلہ آتشک کے زیادہ متوحش ہوتے ہیں کیونکہ آتشک کا دانہ جیسا کہ بیان ہو چکا صرف ایک ہی ہوتا ہی مگر اس کا مواد لگ کر

اور دانے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اگر آدمی نے عقل سے کام لیا صفائی رکھی اور فوراً کسی باضابطہ معالج سے رجوع کیا تو بہت جلد اچھا ہو جاتا ہے البتہ کبھی کبھی چڑھے کی وہی گلٹی جو آتشک میں نہ درد کرتی ہے نہ پکتی ہے اس بیماری میں پک جاتی ہے۔ جس کو ہندوستان میں بدکا پھوڑا کہتے ہیں اور یہ صرف ایک چڑھے میں ہوتی ہے۔ عموماً تو یہی ہوتا ہے جو عرض کیا گیا لیکن کبھی کبھی اس کا بھی زہر پھیلتا ہے لیکن چونکہ اس کتاب کا مقصد لوگوں کو بیوجہ خائف کرنا نہیں بلکہ ہوشیار کرنا ہے لہٰذا اس سے قطع نظر کی جاتی ہے۔

اس جگہ یہ بھی ذکر کر دینا چاہیے کہ ایک بیماری نائی کے اُسترے سے ہو جاتی ہے جس میں بال کی جگہ مواد کے بھرے دانے پڑ جاتے ہیں اور غلطی سے اکثر لوگ ان کو بھی آتشک سمجھنے لگتے ہیں۔ مگر حکیم ڈاکٹر وید وغیرہ فوراً پہچان لیتے ہیں۔

اس مرض میں ہزار دوائی کی ایک دوا ہے کہ اس جگہ کے بال نہ بنوائے جائیں یورپ میں زیرناف اُسترے کا استعمال نہیں ہوتا۔ جس کی گندگی محتاج بیان نہیں اگر اُسترے کی حفاظت کر لی جائے تو اس طریقے کی خوبیاں قابل لحاظ ہیں۔

باب سوم

سوزاک ہو خواہ آتشک اس سے بچنے کی سب سے بہتر اور لاجواب ترکیب یہ ہی کہ آدمی نہ آگ کھائے نہ انگارے ہگے۔ لیکن افسوس کہ دنیا ایسی ہے نہ اس طرح کی بنائی گئی ہے۔ یہاں لوگ گناہ بھی کریں گے اور کیفر کردار کو بھی پہنچیں گے پھر کیا فائدہ کہ لکھنے والا صرف اسی اخلاقی پہلو پر زور دے جس پر خدا کے خاص بندوں نے ہمیشہ زور دیا اور نیک بندوں نے عبرت کی مگر گنہگار بندوں نے اپنے ہتھکنڈے نہ چھوڑے۔ اس کتاب کا یہ بھی منصب نہیں کہ اصول اخلاق کے ہمیشہ بدلتے نہ بدلتے رہنے پر بحث کرے یا ہر نکلے اور رستے کی تعبیر بیان کرے کیونکہ اس کو جس چیز سے سروکار ہے وہ صرف مادی جسم کی تندرستی ہے روحانی حفاظت کے لیے اور بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ لہذا یہ عرض کیا جاتا ہی۔ کہ یہ بیماریاں ناتجربہ کاروں کی ہیں۔ اگر آدمی ہاتھ پاؤں بچا کر راہ چلے تو عقل کے اندھوں سے کم ٹھوکریں کھائے۔ زمانہ کی روش وہ ہی کہ ہر شخص شادی کرنے پر قادر نہیں بری صحبت خراب پرورش ماحول کا اثر جب آدمی میں سرایت کر جائے تو سب سے پہلے اُن کو غور کرنا چاہیے کہ آیا عقل اور دوراندیشی کچھ کام آسکتی ہی یا نہیں۔ اگر اس نے ایسا کیا تو یقیناً وہ بچ نکلے گا کیونکہ فطرت نے وہ انتظام کیا ہی کہ جب جسم میں کوئی چیز ضرورت سے زیادہ جمع ہو جائے تو بلا کوشش کے کم ہو جائے۔ اور ایسی حالت میں عموماً احتلام ہو جاتا ہی۔ اگر کسی مجرد تندرست مرد کو ہفتے میں ایک دو بار تک احتلام ہو جایا کرے تو چنداں ہرج نہیں کیونکہ احتلام میں برخلاف عام خیال کے اخراج منویہ اس قدر نہیں ہوتا جتنا کہ سمجھا جاتا ہی۔ بلکہ اس میں دوسری بے کار رطوبتیں بھی نکل جاتی ہیں۔

اگر کوئی نادان مرد ۲۴-۲۵ برس کی عمر کے پہلے یہ کہے کہ میری حالت ناقابل برداشت ہے تو نہایت تاسف کا موقع ہے کیونکہ باڑہ کے زمانے میں یہ حالت ہونا صرف بری صحبت وغیرہ سے ممکن ہے۔ جس چیز کو وہ فطرت کی ضرورت سمجھ رہا ہے وہ یقیناً گندہ خیالی ہے۔ گندہ خیالی انگریزی میں اس بُری عادت کو کہتے ہیں جس میں آدمی ہر وقت جنسی معاملات کی اُدھیڑبُن میں رہتا ہے۔ بے تکلف احباب میں جب بیٹھتا ہے تو اسی طرح کے اذکار میں اس کا دل لگتا ہے۔ تنہائی میں جب بیٹھتا ہے تو انہیں خیالات سے دل خوش کرتا ہے۔ یہ حالت یا تو بُری صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ یا خود طبیعت اُسی طرح پیدا کرتی ہے جیسے وہ بیماری پیدا کرتی ہے جب یہ حالت ہو تو آدمی کو چاہیے کہ اپنے ہم صحبتوں کے اوپر غور کرے۔ اس ماحول کو جانچے جس میں وہ ہے۔ اگر ان میں کوئی برائی پائے تو اُس کو ترک کر دے۔ ہزار علاج کا ایک علاج پرہیز ہے۔ یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ تندرستی کو پرہیز سے کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا۔ یہ ضرور ہے کہ اگر کسی قوت سے کام نہ لیا جائے تو اس میں فرق آجاتا ہے۔ مگر تیس برس کے سن سے پہلے نقصان شروع ہونا کسی ڈاکٹر حکیم یا تجربہ کار نے بیان نہیں کیا ہے۔ گو کہ اس کے بعد ضرور نقصان ہوتا ہے۔ بعض اعصابی بیماریاں مثل اختلاج وغیرہ کے ہو جاتی ہیں۔ سر کے پچھلے حصہ میں دھمک اور میٹھا میٹھا درد ہوتا ہے۔ کام میں دل نہیں لگتا رات کو نیندیں اُڑ جاتی ہیں خیالات کم رہتے ہیں یورپین تہذیب کے ساتھ ہزار ہا نعمات آتے ہیں۔ مگر کھلی ہوا کے کھیل سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ اگر کوئی انسان اپنے خیالات پریشان کن پاتا ہے۔ یا مزاج کا رجحان ایسی جانب پاتا ہے جس سے اس کا دل اس کو بُرا کہتا ہے۔ تو فٹ بال ہاکی کرکٹ وغیرہ کی طرف منہمک ہو جائے۔ جنسی برائیوں کو ڈنٹر مگدر بھی دور

کرتے ہیں اور قرار واقعی دور کرتے ہیں کیونکہ تھوڑے دنوں میں اعضا اور جوارح پر آدمی غور کرنے لگتا ہے تو اُس کو کچھ ایسا فرق معلوم ہوتا ہے کہ اُس پر وہ ناز کرنے لگتا ہے۔ اور خود بخود جسم کی چستی کو برقرار رکھنے اور بڑھانے کی فکر میں پڑجاتا ہے۔ لیکن ماننا پڑے گا کہ یہ چیزیں بھی ہاکی فٹ بال وغیرہ کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ ڈنٹر مگدر وغیرہ میں انسان کا صرف جسم بہتر ہوتا ہے اور دل کا بہتر ہونا جسم کی تندرستی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن ہاکی فٹ بال میں دل اور جسم پر شروع ہی سے یکساں اثر پڑنے لگتا ہے انسان کو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ دشمن انسے مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ دوست کی مدد کس طرح کی جائے۔ کم وقفہ میں رائے قائم کرنے کی مشق ہوتی ہے اسی رائے پر وثوق ہونے لگتا ہے خودغرضی اور تمام آوری کو ترک کرکے اپنے جتھے اور گروہ کی مدد کیونکر کرتے ہیں اور خودغرضی میں جو خوشی ہوتی ہے اس کی خوشی میں اور گروہ کی خوشی میں کیا فرق ہے۔ فتح کے اوپر ناز بیجا بے کار معلوم ہونے لگتا ہے ہار میں ہمت کم نہیں ہوتی جیتنے کے بعد نہ تو کھیلنے والا سینہ تان کر مرغ کی طرح بانگ دینے لگتا ہے نہ ہار جانے کے بعد مایوسی اور حرمان کا شکار ہوجاتا ہے۔ جس طرح ڈنٹر مگدر کا اثر مدت العمر باقی رہتا ہے اسی طرح باضابطہ کھیل کود کا اثر بھی آئندہ زندگی پر پڑتا رہتا ہے یہ وہ نیکی ہے جو بہت برسوں کے بعد بھی عود کرتی ہے۔

ڈیوک آف ولنگٹن کا قول ہے کہ واٹرلو۔ کی لڑائی کی فتح پر لوگوں کو تعجب کیوں ہے یہ لڑائی میں ہیرو کی فٹ بال فیلڈمین بیسیوں مرتبہ جیت چکا تھا نپولین کے مقابلہ میں لڑائی کا رنگ تیسرے پہر کو بالکل بدل گیا تھا۔ مگر ولنگٹن کو ہراس نہ تھا۔ بلوشر کا بھی راستہ دیکھتے تھے شام کا بھی راستہ دیکھتے تھے۔ مگر ہمت کو فٹ بال کی عادت برقرار رکھے تھی گزشتہ لڑائی میں ہی غور کرلیجے

جو چیز انگریزوں کے آڑے آتی وہ اُن کی فٹ بال ہاکی کی عمدہ عادت تھی۔ ابھی کل کی بات ہے سب کو یاد ہے کہ جرمنی فتوحات دیکھنے والوں کے اوسان ٹھنڈے کیے دیتے تھے مگر ہارنے والے ہمت کے دھنی تھے۔ میدان جنگ کے اخبار وہ تھے جو نپولین کی میدان جنگ کی رپورٹوں کو مات کرتے تھے۔ پھر بھی عالی ہمتی وہ تھی جو ولنگٹن کو حیرت میں ڈال دیتی۔ یہ سب نتیجہ اس قومی خصوصیت کا تھا جس کو خود انگریز لوگ کھیل کود کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایک گروہ اصحاب شریعت کا ایسا بھی ہے جو بربنائے لہو لعب ہاکی فٹ بال کو ترک کروا کے بانک اور بنوٹ کو رواج دینا چاہتے ہیں حالانکہ یہ حضرات والا صفات انگریزی کھیلوں سے ویسے ہی ناواقف ہیں جیسے ہندوستانی کھیلوں سے اول تو صورت ہیں حالم میرس۔ دوم رعب شرع اجازت کس کو دے سکتا ہے اور اگر کوئی جسارت کرکے پوچھ بھی لے کہ جناب بانک اور بنوٹ کی خوبیاں بیان فرمائیں تو معلوم ہو جائے کہ سلامتی سے بانک بنوٹ کی خوبیوں اور برائیوں سے اسی قدر ناواقف کاری ہے جس قدر ہاکی فٹ بال کے مسائل سے۔ بانک بنوٹ وغیرہ چستی چالاکی بہادری کے حربے ہیں۔ جو بجائے خود لاجواب چیزیں ہیں مگر یہ خیال کرنا کہ معاملات زندگی میں ان سے وہ فائدہ ہوگا جو مل کر کھیلنے کے باضابطہ کھیلوں سے ہوگا۔ جن کی وجہ سے انگریزی قوم کی بقا ہے تو نہایت غلطی ہے۔ یہ دو طریقے ایک دوسرے کا بدل ہو ہی نہیں سکتے۔

مگر کس کے منہ میں زبان ہے جو کہہ سکے کہ ایسی چیزوں کا مقابلہ کیا جا رہا ہے جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ان کے درمیان میں مقابلہ کرنا ایسا ہے کہ جیسے کوئی لڑکا تفریق کا سوال نکالنے میں چھ مچھروں میں سے پانچ ہاتھی

باقی نکال لے۔ اور ایک مجھر جواب آئے۔ مسائل میں بال کی کھال نکالنے کا نتیجہ سوا اس کے دوسرا کیا ہو سکتا تھا۔ خود حضرات مفتیان اِن چیزوں کے صفات و عیوب سے ناواقف مگر فتویٰ دینا ضروری۔ مجبوراً عرف کے اوپر فتویٰ جاری ہو گیا یعنی عوام ان چیزوں کو کھیل کود کہتے ہیں لہٰذا لہو و لعب کی تعریف میں آ گیا۔ سب کو چھٹی ملی۔ اس پر ہرگز نظر نہیں کہ شارع علیہ السلام جو پیغام لائے تھے اس کی غرض کیا تھی۔

پھر ان تمام باتوں کے بعد بھی ہزار تاسف کے ساتھ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بعض طبائع ایسے ہوں گے کہ باوجود ان باتوں کے بری راہ پسند کر لیں گے۔ انھیں لوگوں کے لیے شاعر کہہ گیا ہے کہ:-

چوب ناصاف کو ہر چند تراشا میں نے
آدمیت کا سزاوار یہ منوا نہ ہوا

صرف ایسے لوگوں کو ہدایت کرنا اس کتاب کا کام ہے ملا مزاج حضرات اور وہ ڈاڑھی دار عورتیں جن سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہوتا نفریں کریں گے اور کوسنے دیں گے کہ یہ دیکھئے صاحب زنا کاری کی بد یا پڑھائی جا رہی ہے۔ مگر لکھنے والا ان لوگوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ اگر ایک گنہگار بھی سوزاک یا آتشک سے بچ گیا یا ایک مبتلا کی تکلیفیں کم ہو گئیں تو ان لوگوں کی لعن وطعن مجھ کو ایسا خوش رکھے گی جیسے سسرال کی گالیاں۔ عیاشی کی برائیاں کافی بیان ہو چکی ہیں۔ احتیاطاً پھر کہتا ہوں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اس نامراد عیب کی طرف ترغیب دلانے کے لیے نہیں کہتا ہوں بلکہ صرف اس واسطے لکھتا ہوں کہ اگر سب عیوب نہ دور ہوں تو کچھ ہی دور ہو جائیں۔ حرام کاری کے بعد خصوصاً اور یوں عموماً بعد انزال پیشاب کرنے کی کوشش کرنا چاہیے اکثر لوگ اس تھے

اور فوراً قادر نہیں ہوتے لیکن کوشش سے کامیاب ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ عادت ہو جاتی ہے۔ اگر کسی شخص کا دل باوجود خیال آنے کے اُٹھنے کو نہ چاہے تو اُن کو یقین کر لینا چاہیے کہ میں نے اپنی قوت سے زیادہ نفس پرستی کی ہے جو مضر صحت ہے۔ ہر شخص کی قوت برابر نہیں ہوتی نہ کوئی تعداد مباشرت کی مقرر کی جا سکتی ہے۔ لیکن اعضار کا اس قدر کسلمند ہونا کہ پیشاب کرنے کو اُٹھنا پسند نہ ہو۔ اس بات کی عمدہ دلیل ہے کہ وہ شخص کثرت کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ اس کے پہلے کہ آدمی کسی بازاری عورت کے قریب جائے اُس کو یہ خوب دیکھ لینا چاہیے کہ چہرے جسم پر دانے وغیرہ تو نہیں ہیں یا کوئی علامت ناک۔ پیشانی یا گلے پر گزشتہ بیماری کی تو نہیں پائی جاتی۔

دوران مجامعت میں اس کو تکلیف تو نہیں ہو رہی ہے کیونکہ یہ بڑی علامت بیماری کی ہے اس کے بعد جلد سے جلد کسی تریاکی قابلیت رکھنے والی چیز مثل پرمیگنٹ سُرخ دوا وغیرہ سے جسم کو دھو ڈالنا چاہیے۔ اگر کوئی ایسی چیز دستیاب نہ ہو تو خود اپنے پیشاب سے خوب دھو ڈالے۔ آتشک کا زہر جلد کے کسی خراش یا زخم کے ذریعہ سے آتا ہے اور یہ دعوے سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دھل ہی جائے گا۔ لیکن اپنی طرف سے کوئی احتیاط اُٹھا نہ رکھنا چاہیے سوزاک کا معاملہ بالکل دوسرا ہے اس کی حفاظت اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آدمی پچکاری لے لے جو لوگ سوزاک کا مزہ چکھ چکے ہیں وہ تو یقیناً خود پچکاری لے لیں گے جن کو یہ تمغہ ابھی نہیں ملا ہے وہ اگر خود نہ لے سکیں تو کسی ڈاکٹر کے پاس چلے جائیں بہت ہلکا پرمیگنٹ کافی ہو گا۔ یہ عمل جلد سے جلد نہیں تو چوبیس گھنٹوں کے اندر ضرور ہو جانا چاہیے۔ اس کے علاوہ حفظ ما تقدم کی بہت سی صورتیں ہیں۔ تندرست کو پچکاری میں تکلیف نہ ہو گی ایک فرنچ لٹر یعنی

ربر کی تھیلیاں ہیں جو جسم کے اوپر چپت چڑھائی ہیں - یہ مختلف دبازت کی
ہوتی ہیں - بعض بہت موٹی ہوتی ہیں - جن میں حس اور حظ دونوں کم ہوجاتے
ہیں لیکن بہت مرتبہ کام آتے ہیں - بعض بہت پتلے ہوتے ہیں جو کم دن چلتے
ہیں - لیکن حظ ان میں کم آتا ہے - ان سے پوری حفاظت بیماروں کی ہوجاتی
ہی - مگر اس میں عیب یہ ہی کہ یہ اکثر پھٹ جاتے ہیں - ربڑ موسمی اثرات سے بہت
جلد خراب جاتا ہے اور دوسری غلطی جو لوگ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ بجائے
اس کے کہ سر کی طرف تھوڑا حصہ خالی چھوڑ دیا جائے - لوگ اس کو خوب
کھینچ کر چڑھاتے ہیں اگر استعمال کے پہلے یہ کھینچ کر دیکھ لیا جائے اور شروع
سے تھوڑا حصہ خالی رکھا جائے تو پھٹنے کا خوف کم رہ جاتا ہے - یہ آخری
ترکیب ہر شخص خیال نہیں کرتا اور اُس وقت فطرت کا تقاضا بھی یہ ہوتا ہے
کہ خوب کھینچکر چڑھایا جائے - بعض میں اخراج کے لیے ایک پتلی سی تھیلی آگے
لٹکا کرتی ہے اس تھیلی کے علاوہ بھی تھوڑی جگہ خالی چھوڑنی چاہیے - ایک
اور چیز جو کسی مچھلی کی جھلی ہوتی ہی وہ بھی اسی کام آتی ہی - یہ باریک فرنچ لٹر
سے بھی زیادہ باریک ہوتی ہے - اور آدمی اس کو محسوس بھی نہیں کرتا
ایک اور چیز بھی ہی جو کم خرچ بالا نشیں آدمی خود تیار کر سکتا ہے بکرے کا
مثانہ لیجیے اور اُس کی چربی چاقو کی باڑہ سے کھرچ ڈالئے اُس کے بعد
دھو کر کسی کپڑے پر جذب کر لیجیے بعد ازاں ایک ذراسی دہنیت مثل گھی
تیل - یا ویسلین کے لگا کر کسی ڈبیہ میں رکھ چھوڑے - اس کے کام میں
لانے کی یہ صورت ہوتی ہی کہ اس کو اس طرح چڑھائیں جیسے کوئی رومال
کے درمیان میں کڑی اُنگلی رکھ کر اُس کے چاروں گوشے اُٹھا کر پوری اُنگلی
پر رومال کو غلاف کی طرح چڑھائے جب یہ کر چکیے تو ایک ربڑ کا چھلا جو کسی پورانے

فرینچ مٹر سے علحدہ کرلیا ہو بیچ عضو پر چڑھائے جو اس جھلی کے چاروں کونوں کو دبائے رہے۔ معاشرت میں اول تو محسوس کم ہوتی ہے دوسرے اس میں یہ بھی صفت ہے کہ چونکہ یہ رومال کی طرح کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے دھونے میں کم وقت ہوتی ہے اور اس کی حفاظت کے لیے ذرا سا تیل۔ گھی۔ مکھن۔ ویسلین کوئی چیز کافی ہے فرنچ لیٹر اول تو دھلنا مشکل سے ہے دوسرے سنگ جراحت کو باریک پیس کر اس میں رکھنا ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ بعض دوائیاں بھی ملتی ہیں۔ ایک نیم قرص نما ٹکیہ ہوتی ہے جس کو "وائفس فرینڈ" یا گھر گرست کی سہیلی کہتے ہیں۔ اور اس کا ذکر اگر میں غلطی نہیں کرتا ہوں تو مسز اینی بسنٹ نے بھی مسئلہ آبادی کے ضمن میں کیا ہے یہ بطور حمول کے استعمال ہوتی ہے۔ بیماری اور نیز حمل کو روکنے کے لیے بہت کار آمد سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اس میں بھی ایک خامی ہے۔ یعنی دہنیت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ استعمال کر کے طبیعت الجھتی ہے۔ ایک دوسری دوا جرمن سے آتی ہے جس "گانوٹن" کہتے ہیں اس کی ٹکیہ بھی اسی طرح استعمال کی جاتی ہے اس میں دہنیت وغیرہ نہیں ہوتی نہ اس کا حجم زیادہ ہوتا ہے اگر فوراً کام میں لانا ہے تو پانی میں ڈبو کر استعمال ہو ورنہ تین منٹ اس کے لیے کافی وقت ہے۔ اس کو فریقین محسوس نہیں کرتے۔ اور اگر عورت چاہے تو مرد جان بھی نہیں سکتا ہے جو لوگ لڑکوں سے گھبرا گئے ہیں یا جن عورتوں کی تندرستیاں جواب دے چکی ہیں اُن کے لیے بہت کار آمد ہے حالانکہ لڑکوں کی پیدائش صرف اس بنا پر روکنا کہ تعلیم وغیرہ میں دقت ہوگی وہ یورپین خیال ہے جو مجھ حقیر کی سمجھ میں نہیں آتا۔ البتہ اگر طبیب کہے تو امر دیگر ہے۔

ان تمام باتوں کے بعد بھی اگر کوئی کمبخت بلا میں گرفتار ہو جائے تو ذرا سا

تعجب نہ کرنا چاہیے رنڈیاں چاہے جتنی اونچی ہوں اگر اُن کے ذریعے سے بیماری آجائے تو خلاف امید نہیں کہا جاسکتا اکثر یہ ہوتا ہے کہ بازاری عورت جس سے برسوں سے واقف ہیں اور ہر طرح سے اطمینان والی ہے۔ ایک دن اپنے پیار محبت کا پورا ثبوت دے دیتی ہے۔ ارے یہ کیا ہوا! تماشبین صاحب قرآن اُٹھا کو طیار ہیں نہا دھو کر مسجد میں جانے کو طیار ہیں کہ میں نے سوا اپنی قدیم آزمودہ پابند آشنا کے دوسرے کا منہ دیکھا ہو تو روسیاہ وہ بھی ہنس ہنس کر قسمیں کھاتی ہیں کہ مجھ کو کوئی بیماری نہیں اور اگر ہوتی تو میں تم سے پوچھتی ہوں آخر تم سے کیونکر چھپی رہتی۔ میں بھی یہی کہتا ہوں مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اجی حضرت مجھ سے سنیے یہ آپ کی مشغولہ معشوقہ جو ہیں بہت دن ہوئے اس کا بھرنا بھر چکی ہیں دوا علاج دوڑ دھوپ اچھی ہوئی خدا نے چنگا کر دیا۔ اب یہ سوزاک سے تو متاثر نہیں ہیں۔ لیکن کبھی کبھی اپنے چاہنے والوں کو رکھائی سوغات دے دیتی ہے۔ ان کو انگریزی میں کیریر کہتے ہیں۔ آپ اس کو بس کی گانٹھ کہیئے۔ میرے پڑھنے والے۔ اگر خدا نخواستہ تمہاری دشمن بھی کسی دن ان آفتوں میں مبتلا ہو جائیں تو میری وصیت قبول کرنا کہ شرم کو اُسی وقت دھو کر پی جانا اور کسی سمجھ دار باضابطہ طبیب یا ڈاکٹر سے فوراً رجوع کرنا عطائیوں کے پھیر میں نہ پڑنا۔ نہ ملک اشتہارستان یعنی پنجاب سے خفیہ پارسل منگوانا آج تک کسی کو نہیں دیکھا کہ اعزا اور اقربا احباب سے اپنی حالت چھپانے میں کامیاب ہوا ہو۔ پھر کیا فائدہ کہ مرض بھی نہ اچھا ہوا اور پردہ بھی فاش ہو۔ مصیبت کے مارے بیماری کے مبتلاؤں کو غور کرنا چاہیے کہ حیا جو ایمان کا جزو ہے جو مردانگی کا اُسی طرح جوہر ہے جیسے نسوانیت کا زیور ہے۔ جو آدمی کو غلط راہ چلنے سے روکتی ہے جب انسان نے اُسی موتی کی آب

کھودی تو ندامت جو گناہ کے بعد پیدا ہوتی ہے اس کا پالنا پوسنا ایسا ہے
جیسے کسی عورت کی گود خالی ہو جائے اور وہ گلہری کا بچہ پال کر اپنا دل بہلائے
جس وقت تک یہ بیماری نہ آئے اس وقت تک اس سے ایسا بھاگنا چاہیے جیسے
کوئی شیر سے بھاگتا ہے جب آن پڑے تو مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیے اور
رہی سہی ہمت کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔ بارہ بنکی کے ضلع میں ایک مشہور بدمعاش
اور اُس کے بھائی کو پھانسی دی گئی تھی جب اُن کو پھانسی کے مقام پر لائے
تو چھوٹا بھائی سراسیمہ ہو گیا بڑے بھائی نے کہا "یہ کیا نامردی ہے یہ ضرور
ہے کہ تو میری وجہ سے اس مصیبت میں گرفتار ہوا مگر اب تو ہو چکا اب مردانگی
سے پھانسی پر چڑھ جا" اسی طرح سے ان بیماریوں کے بارے میں بھی کرنا چاہیے
جو سختیاں ان بیماریوں کے باب میں بیان ہوئی ہیں پھر بھی کم ہیں۔ اور روز
دیکھی جاتی ہیں۔ لیکن ہر شخص کی یہ حالت نہیں ہوتی بہت سے ایسے بھی ہوتے
ہیں کہ عمدہ علاج۔ وقت پر دوا فروش اور باضابطہ احتیاط سے بہت سی
تکلیفوں سے بچ بھی جاتے ہیں۔ سوزاک کے بہت سے مجربات ہیں۔ جو کبھی کبھی
اچھا کر دیتے ہیں۔ یا کم سے کم اتنا وقفہ ضرور دیتے ہیں کہ آدمی تکلیف سے چھٹکارا
پا کر علاج معالجہ جاری رکھے اور اچھا ہو جائے آتشک میں بھی پارہ وغیرہ
کے مرکبات ایسے ہیں کہ اگر شروع ہی سے ان کا خارجی اور داخلی استعمال
ہو تو زہر کچھ کم ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں کا حکیموں کا دعویٰ ہے
کہ پارے کے استعمال سے آتشک زہر ایسا جل جاتا ہے جیسے کاغذ آتش زدہ
اینٹھ کر خاک سیاہ ہو جاتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس زبردست دھات کا
استعمال کسی پڑھے لکھے معالج کے ہاتھ سے ہو عطائی کے ہاتھ میں یا ناتجربہ کار
پیشہ ور کے بھی ہاتھ میں ایسا ہے جیسے اندھے کو بلیچہ دے کر باغ کی درستی کروائے

اسی طرح کی بے عنوانیوں سے لوگ پارے کے نام سے گھبرانے لگے ہیں۔ آتشک کا ایک نیا علاج بھی نکلا ہی جو واقعی بہت مفید ثابت ہوا ہی یہ جرمنی کی ایجاد ہی اور اب دوسرے ملکوں میں بھی اُسی طرح کا بننے لگا ہی۔ اس سے مرض کے شدائد فوراً گم ہو جاتے ہیں۔ مگر اس کے بعد بھی پارے کا استعمال کم سے کم دو برس جاری رکھنا چاہیے۔

جو لوگ عادت دیرینہ کی بنا پر یا صحبت کے زبردست اثر میں پڑ کر عیاشی کرتے ہیں اُن کی اصلاح ہونا مشکل ہے البتہ جو لوگ واقعی یا اپنے گمان میں بشریت کے سخت تقاضے کی وجہ سے کرتے ہیں۔ ان کے لیے ایک نکتہ فرانس کے مشہور مصنف بریو کا بتایا ہوا۔ عرض کیے دیتا ہوں۔ اگر آپ دیکھتے ہیں کہ آپ برسوں کے پرہیز کی وجہ سے کام اچھی طرح نہیں کر سکتے کھوپری کے پچھلے حصہ میں درد ہوتا ہے نیند اُڑ گئی ہے۔ خلاف عادت اس طرح کے منصوبے بلا وجہ آیا کرتے ہیں۔ اور شادی نہیں ہو سکتی۔ تو کسی اتری ہوئی عورت سے منہ کالا کر لیجیے۔ یہ صورت کسی نوجوان رنڈی سے دائمی تعلق کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ کیونکہ یہاں دلاویزی کم ہوگی جس سے شکر کی مکھی بنے گا اور شہد کی مکھی نہ بنے گا۔ اور دوران خون بھی کم ہو جائے گا ان سب سے بڑھ کر جو صفت ہے وہ یہ ہی کہ بازاری عورتیں اپنے پیشہ کا نقصان عموماً اُٹھان کی جوانی ہی میں برداشت کر چکتی ہیں اور اگر بیماری کا کچھ اثر باقی بھی رہتا ہی تو شروع مرض کی ایسی چھوت کم سے کم آتشک میں نہیں رہتی۔ عصمت بی بی از بیچاوری بقول فرانسیسی مصنف کے ننگی کیا نہائے گی کیا نچوڑے گی جب حسن کی دولت کے ساتھ بیماری کا خزانہ بھی لٹ چکا ہے تو وہ دے بھی کیا سکتی ہے۔ ان شرمناک بیماریوں کی بڑی مصیبت کا پہلو یہ بھی ہی کہ رنڈی اور تماشبین

اگر اپنے اعمال کی سزا پاتے ہیں تو بے جا نہیں لیکن بیچاری شریف پردے کے بیٹھنے والی اس کا خمیازہ اُٹھاتی ہے اور اُف نہیں کہہ سکتی نہ کھلم کھلا علاج کرنے پاتی ہے نہ اپنے ہمجنسوں میں اپنی تکلیف کا رونا رو سکتی ہے۔

سوختیم و سوزشِ ما بر کسے ظاہر نہ شد
چوں چراغاں شبِ مہتاب بیجا سوختیم

اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ شادی کے بعد شوہر صاحب رونمائی میں یہی تحفہ دیتے ہیں۔ کیونکہ ازالہ بکر میں جسم چھل جانے کی وجہ سے زہر کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے۔ نئی نویلی دلہن شرم کی بات منہ سے کیونکر نکال سکتی ہے۔ شوہر صاحب کو معلوم ہوا تو وہ بھی کچھ ناواقف کاری کچھ گناہ کے چھپانے کی کوشش تکلیف کو شروع شروع کی بات پر محول کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ مرض ترقی کرتا جاتا اور غریب کردہ گناہ اکثر نہ آل کی رہتی ہے نہ اولاد کی۔

اس پہلو سے بڑھ کر سخت پہلو دوسرا نہیں مگر آئے دن روز ہوتا ہے اور شریف زادی برداشت بھی کرتی ہے۔ ہمارے صوبے کے ایک بہت بڑے ڈاکٹر مجھ سے کہتے تھے کہ میں نے چالیس برس کے تجربہ میں نہ معلوم کس قدر شریف زادیوں کو دیکھا ہے کہ ان مظالم کا شکار ہو گئی ہیں اور حرف شکایت زبان پر نہیں لائیں یہاں تو یہاں سلویس اسٹال نے سوشل پیرل میں لکھا ہے کہ یورپ اور امریکہ میں بھی یہی حال ہے کہ ہنی مون کے زمانے میں نہیں معلوم کس قدر بیچاریاں محبت کے پردے میں مجروح ہوتی ہیں۔ معلوم نہیں وہ لوگ بھی ہندوستانی بیبیوں کی طرح زندگی پار کر دیتی ہیں۔ یا ہر ایسی عورت قانونی چارہ جوئی کرتی ہے یہ رسالہ اخلاق کے اوپر نہیں لکھا گیا ہے مگر بغیر کہے رہا بھی نہیں جاتا کہ جو شخص دیدہ و دانستہ اپنی بے خطا بی بی کو اس آفت میں ڈال دے

یا رنڈی ہی کو سوزاک دیدے اس سے زیادہ برا آدمی مشکل سے دکھائی دے گا۔ گو ویسے ہی برے آدمی روز دکھائی دیتے ہیں۔ خود میرے ایک ہم مکتب کو یہ عارضہ ایک رنڈی سے ہو گیا تھا اُنھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے نہ معلوم کتنی حرام زادیوں کو دے کر اپنی تکلیف کا بدلہ لے لیا۔ یہ خباثت تشریح کی محتاج نہیں۔ مگر فطرت کے تقاضوں کو اخلاق کے نکتے نہیں روک سکتے۔ لہذا ایسے شخص کے لیے رنڈی بازی کر لینا اتنا برا نہیں جتنا کہ شادی کرنا۔ مگر اس حالت میں بھی اس کو کمسن یا ایسی رنڈی کے پاس بلا احتیاط جانا جس کو وہ تندرست جانتا ہے شادی کرنے سے بھی زیادہ برا ہے کیونکہ بی بی تمھاری امانت خبیثہ جوگ کما کر رکھے گی مگر دوسرے کو نہ دے گی برخلاف رنڈی کے کہ وہ سخاوت کے دریا بہادے گی۔ اور جس طرح چراغ سے چراغ جلتا ہے تمھاری سیہ کاری کی روشنی ہر جگہ پھیل جائے گی۔ ہاں اُتری ہوئی رنڈیاں جو یقیناً جنگ آزمودہ سپاہی کی طرح بہت سے زخم کھا چکی ہے اُس کے پاس جانا پھر بھی غنیمت ہے مگر اس حالت میں بھی یہ نہایت ضروری ہے کہ اگر تم نے فرنج لیٹر وغیرہ استعمال نہیں کیا ہے تو باتوں باتوں میں اُن کو اپنی حالت سے آگاہ کر دو۔ یا کم سے کم ایسی باتیں کرو کہ وہ ہوشیار ہو جائیں۔ یہ لوگ اپنے پیشہ کی وجہ سے ان بیماریوں سے صرف اس قدر ڈرتی ہیں جس قدر فیل بان ہاتھی سے ڈرتا ہے۔ جو منہ سے تو یہی کہا کرتا ہے کہ صاحب سولی پر کی نوکری ہے۔ مگر مست ہاتھی پر بھی بند نہیں ہوتا۔ رنڈی اس طرح کی باتوں کی عادی ہوتی ہے۔ وہ اس قدر بُرا نہ مانے گی جس قدر تم خیال کرتے ہو۔ نہ یہ خیال کرے گی کہ تم دوسرے آنے جانے والوں سے زیادہ جعلے فریبی ہو۔

اگر شامت اعمال سے تمھاری شادی ہوگئی ہے۔ تو سب سے پہلے تم کو چاہیے
کہ اپنی بی بی سے پورا حال بیان کردو۔ ضرور بیان کردو ضرور بیان کردو
اور اس کے بعد بھی جتنی احتیاطیں عرض کی گئی ہیں اُن کا خیال ہمیشہ رکھو
ہندوستانی عورت یقیناً اُس وقت بھی ہمدردی نہ چھوڑے گی۔ ع

صبر تلخست ولیکن بر شیریں دارد

وہ زمانہ بھی انشاء اللہ تعالےٰ آجائے گا کہ تمھارا معالج تم سے کہہ دے گا
کہ تم اب اچھے ہوگئے۔

- - - - - - - ❋ - - - - - - -

باب چہارم

غلطیوں کی سخت جانی مشہور ہے۔ اور شراب اس کی بہترین مثال ہے لوگ اس کی بُرائی ہمیشہ بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر یہ بلا انسان کا پنڈ نہیں چھوڑتی اس کی بھلائیوں میں صرف اس قدر یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ شراب اپنی تیزی کی وجہ سے دوران خون زیادہ کر دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ دوران خون بھی ہر حالت میں مفید نہیں۔ کیونکہ ہر کمانے راز والے جس قدر زور سے گیند دیوار پر پڑے گا اُتنی ہی زور سے واپس آئے گا دوران خون بھی جس قدر زیادہ ہوگا اُسی قدر اُترنے میں کم ہوگا سب سے بڑی صفت جو اس کی بیان کی جاتی ہے اور جس ضرورت سے عموماً ہندوستانی اس کو اختیار کرتے ہیں۔ وہ امساک ہے لوگوں کی جہالت کا یہ حال ہے کہ وہ شراب کے امساک کو قوت کی نشانی جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے شراب صرف خیالات کو دوسری طرف بانٹ دیتی ہے اور اس وجہ سے دیر ہوتی ہے تھوڑی سی شراب جس کی مقدار دوا کے حدود سے نہیں نکلتی (میرے خیال میں دس قطروں سے لے کر ساٹھ قطروں تک) باہ کے لیے ضرور مفید بتائی جاتی ہے لیکن اگر رفتہ رفتہ بڑھائی نہ گئی تو وہی چار دنوں میں بیکار معلوم ہونے لگتے ہیں اور مقدار زیادہ کرنے کی ضرورت پڑے گی بڑھ جانے کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو کم سے کم ہندوستانی شرابی کا عموماً اور انگریزی شرابی کا خصوصاً نظر آتا ہے یہ بڑھ گئی تو اُس کا فائدہ نقصان سے بدل جاتا ہے مگر ناواقف کار کو چند روز تک فائدہ ہی دکھائی دیا کرتا ہے اس کے بعد وہ بھی کف افسوس ملنے لگتا ہے اس کی وجہ حسب ذیل ہے جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں شہوت تین قسم کی ہوتی ہے۔ اول

دماغ کی تحریک سے جو اعلیٰ قسم کی انسانی نعمت ہے۔ دوسرے دل کے تقاضے سے یہ بھی غنیمت ہے۔ تیسرے اعضاء کی رگڑ اور مساس سے یہ تیسری حالت ہمیشہ مضر اور کمزور کرنے والی ہوتی ہے شراب میں جس وقت دماغ ماؤف ہوگیا تو اس کی دلچسپی جاتی رہتی ہے اور وہی تیسری قسم والی بات رہ جاتی ہی جس کا نتیجہ ہمیشہ قلت باہ ہوتا ہے۔ جس شیر الجوار سے پوچھ لیجئے آپ کو بتاویگا کہ اگر شراب پینے والا بغیر شراب کے مباشرت کرنا چاہتا ہے تو سرعت خفیف کرتی ہے جب اس کی عادت اور زیادہ ہو جاتی ہے تو علاوہ بہت سی دماغی قلبی اور جگر کی بیماریوں کے یہ بالکل نامرد بھی کر دیتی ہے۔ "جس کے لیے سر منڈایا وہی کہے سر منڈی" (ملاحظہ ہو بلاک صفحہ ۳۴۴ اور نیز جارج ہرہتہ کا قول)

سوزاک اور آتشک کی سب سے بڑی دلال شراب ہی گناہ کا سودا جس قدر خریدا جاتا ہے زیادہ تر اسی کے ذریعہ سے ہوتا ہے بڑے بڑے مصنفین نے لکھا ہے کہ ایک ہی عورت کو دو آدمی مصرف میں لائے اور شرابی پھنس گیا اور ہوشیار بچ نکلا وجہ یہ کہ نشہ میں آدمی صرف یہی نہیں کہ دیر تک مصروف رہتا ہو۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ احتیاط نہیں کرتا اگر کھال میں خراش آگئی تو اس کے اعصاب دماغ تک خبر نہیں پہونچاتے۔ اگر عورت کھلم کھلا بیمار ہی تب بھی آگ میں پھاند پڑتے میں باک نہیں۔ پھر اس کے بعد بھی کچھ پرواہ نہیں۔ صبح کے وقت اعضار شکنی کسل ایسا مسلط ہے کہ اس وقت بھی کچھ نہ ہوسکا اور آخر کار بیمار پڑ گئے۔ شراب سے قوت ارادی پر وہ زوال آتا ہے کہ دیکھنے والے عبرت کریں۔ بلاک نے لکھا ہے کہ ایک نیک چلن شائستہ خیال فوجی افسر ایک دعوت سے اپنے گھر آرہا تھا رات بھیگ چکی تھی اور دماغ بھی تر تھا۔ یکبارگی

ایک عورت نے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا اور حمی برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست - اپنے گھر
لے گئی اُس نے پہچان لیا کہ نرم چارہ ہے اور تھا بھی ایسا ہی - جب ہوش ہوا تو
اس نے دیکھا کہ میں ایک کریہہ منظر بڈھی ٹکاہی کو پہلو میں لیے لیتا ہوں - دو چار
دنوں میں جس بات کا دھڑکا تھا وہی سامنے آئی مواد کا اخراج شروع ہوا مگر
رسیدہ بود بلائے بخیر گزشت کیمیاوی ترکیب سے کھل گیا کہ اخراج میں سوزاکی
زہر نہ تھا بلکہ فقط پوری تھراٹس ہو گیا تھا یہ خرابیاں تو وہ ہیں جو بلا واسطہ
شراب کے ذریعے سے ہوتی ہیں اس کے علاوہ دماغ بھی خراب ہو جاتا ہے - جگر تو
سب سے پہلے خراب ہو جاتا ہے - کسی شرابی سے پوچھ لیجئے کہ تمھارے جگر
کا کیا حال ہے - کسی حکیم ڈاکٹر سے پوچھ لیجئے کہ کتنے شرابی جگر کی وجہ سے مرتے
ہیں - تعداد سنکر آدمی دنگ رہ جاتا ہے - ہندوستانی شاید اسی وجہ سے
کہ وہ چین سے اس سے مایوس نہیں ہوتے یا موسمی اثرات کی وجہ سے اعتدال
نہیں قائم رکھ سکتے یورپین سے زیادہ نقصان اُٹھاتے ہیں - تمام ماہرین
اس پر متفق ہیں کہ اگر شراب بند کر دی جائے تو زیادہ تر جرائم کا دروازہ
مسدود ہو جائے گا -

لڑائی کے زمانے میں جن ممالک نے اس کا لحاظ کیا تھا وہاں کی رپورٹیں اُسے
پورے طور سے ظاہر کرتی ہیں - دوسری قوموں کے نسبت میں نہیں کہہ سکتا لیکن
ہندوستانی بھی جب شراب کا استعمال کرتے ہیں تو حرکات اور گفتگو میں آزادی
کا عذر ڈھونڈھنے کے لیے کرتے ہیں - یعنی اگر کسی شخص کا دل چاہتا ہے کہ وہ
اس وقت خوب پیئے یا شور کرے تو وہ شراب کی آڑ ڈھونڈھ لیتا ہے -
یوں اگر وہی حرکتیں کرے تو احباب کا ڈر لگا ہوا ہے اور خود اپنے ضمیر کا دھڑکا
ہے کہ سڑی کہلاؤں گا لیکن شراب کے بعد یہ تکلفات اُٹھ جاتے ہیں اور آدمی

جانتا ہی کہ میں جو خفیف اخراجاتی کروں گا وہ شراب کی سر منڈھی جائے گی شراب
کی یہ خاصیت کہ طبیعت کی اصلیت کو اُبھار لاتی ہے میرے خیال کی تائید کرتی
ہی ہمیشہ دیکھا ہی کہ جو رنگ طبیعت کا پہلے ہوا وہی گہرا ہو جاتا ہے۔ اگر سود
خوار کو شراب پلا دیجئے تو یقیناً وہ سود زیادہ مانگنے لگے گا۔ اگر سخی کو پلا دیجئے
تو وہ سخاوت زیادہ کرنے لگے گا۔ وعلیٰ ہذا القیاس شراب پی کر گالیاں بکنا
یا ناشائستہ حرکات کرنا خود زیادہ تر اپنی افتاد طبیعت پر موقوف ہی شراب
کو گالیوں سے کو خاص انس ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص نشہ میں گالیاں بکنی
شروع کر دے تو یقین رکھئے کہ بغیر شراب کے بھی یہ شخص بدمزاج گندہ دہن ہی ہے
کیونکہ پینے والے کا دل دوسرا نہیں ہو جاتا گو دماغ ماؤف ہو جائے شراب کی
برائیاں شرابی کے ساتھ دفن نہیں ہو جاتیں بلکہ کم سے کم ایک پشت تک ضرور
باقی رہتی ہیں۔ پاگل خانوں کی رپورٹیں موجود ہیں کہ زیادہ تر سڑی وہ ہیں
جن کے ماں باپ یا دونوں شراب کی کثرت سے عادی تھے جو لوگ کثرت
سے نہیں پیتے اُن کی اولاد بھی بے داغ نہیں بچتی۔ تازہ ترین تحقیقات یہ ہی
کہ اگر تھوڑی سی بھی تر دماغی میں اولاد پیدا کی ہے تو وہ چند قطرے اولاد
کو ترکہ میں ملیں گے بہت پینے والے کا کیا ذکر ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ شرابی کی وہ
اولاد صرف سترہ سیکڑہ تندرست ہوتی ہے۔ باقی ایسے ہوتے ہیں کہ
اُن کی حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے اور وہ بیماریوں کا مقابلہ
نہیں کر سکتے۔ دق سے اُن سے ملاقات صرع سے اُن سے بھائی چارہ دماغ
کی خرابی سے اُن کو رغبت اور جرائم سے تو گویا دانت کاٹی روٹی ہوتی ہے
جگر کی بیماریوں کا کیا کہنا وہ تو اپنے ہی ہیں۔ یہ سب مبالغہ کے ساتھ نہیں لکھا
گیا ہے۔ بلکہ اس موضوع پر جس قدر کتابیں ہیں ایسے ہی مضمون سے بھری پڑی

ہیں۔ اسناد لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہولاک۔ ایس بلاک مارل والٹر ایم گیلیکن سل ویس اسٹال۔ وغیرہ وغیرہ ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ تولید کے کیڑے اپنے ساتھ عوارض مثل دق وغیرہ کے نہیں لاتے بلکہ ان میں صرف ایک رجحان والدین کی بعض بیماریوں کی طرف ہوتا ہے برخلاف اس کے شراب کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اُس کی اولاد فوراً پہچان لی جاتی ہے اگر استقرار حمل دوران نشہ میں ہوا ہے۔ تو گویا لڑکے کے ماتھے پر لکھا ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ چند بڑے جلیل القدر لوگ پولو کھیل رہے تھے ان میں دو نوجوان تھے جو دونوں بہت اچھے کھلنے والے تھے مگر ایک جب گھوڑا دوڑتا تھا تو اُس کا سارا جسم ہلتا تھا اور دوسرا زین پر میخ کی طرح گڑا ہوا تھا۔ ایک شخص جو میرے پڑوس میں بیٹھا تھا اس سے اپنے پاس والے سے اسی نوجوان کے بارے میں کچھ باتیں ہوتی تھیں (Child of Alcohol) (یعنی ابن الشراب) کا لفظ میں نے اپنے کانوں سے سنا۔ ابن الشراب اُس شخص کو کہتے ہیں جو ماں باپ کے نشہ کی حالت میں پیٹ میں آتا ہو۔ مجھ کو یہ واقعہ اس وجہ سے یاد رہا کہ میں بھی یہی سوچ رہا تھا مغربی سرد ممالک کے رہنے والے ہیں انکی معاشرت میں شراب ایسی در آئی ہے کہ گلے کا ہار ہو گئی ہے۔ امریکن نے اس کو قانوناً ناجائز ٹھہرایا ہے۔ پھر بھی شرب الھود جس کے معنی چھپ کر پینا ہی برابر جاری ہے۔ یورپ میں شراب کے چھوڑنے میں ایک امر اور بھی مانع ہے۔ فرانس۔ اٹلی اور اسپین وغیرہ میں بہترین شرابیں طیار ہوتی ہیں۔ انکی سوداگری سے کروروں کی آمدنی ہے چنانچہ تھوڑا زمانہ ہوا فرانس والوں نے طے کیا تھا کہ ایک جہاز پر ہر قسم کی شرابیں لے کر بندر بندر گھومے اور لوگوں کو مفت پلائی۔ ہندوستان کے لیے یہ عذر بھی نہیں ہے۔ شراب کا نقصان

سب کے لیے یکساں ہے لیکن کمزور کو بہت جلد مار لیتی ہے۔ طاقتور لوگ اکثر اس نقصان کو محسوس نہیں کرتے اس لیے پتہ نہیں چلتا جو لوگ شراب کے عادی ہیں وہ شروع شروع میں موٹے بھی ہو جاتے ہیں مگر یہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔ چہرے پر سرخی تندرستی کی علامت ہرگز نہیں ہے کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ جوں جوں شراب کی عادت زیادہ ہوتی جاتی ہے چہرے اور ناک کی رنگت بڑھتی جاتی ہے شیریڈن کے ڈراما ڈوانیا۔ یا (بڑی انا) میں نہایت ہی شوخی سے سرخ ناک کا ذکر کیا ہے شرابیں سانپ کی طرح ہزاروں قسموں کی ہوتی ہیں۔ بعض تو ایسی ہیں کہ وہ صرف خاص رقبوں کے انگوروں سے طیار ہوتی ہیں۔ اور صرف خاص خاص خانقاہوں کے راہبوں کو ان کے نسخے معلوم ہیں جو علم سینہ ہے۔ بعض بہت قیمتی ہیں بعض غریبا مئو کم قیمت ہوتی ہیں ان کے نقصانات میں بھی سانپ ہی کی طرح فرق ہے۔ ہمارے ہندوستانی پینے والے اکثر اس سے نہیں واقف ہوتے ہیں اور ہر شراب کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ غالب مرحوم نے اپنے خطوط میں لیکور کا ذکر کیا ہے۔ جس کو یقیناً وہ عام شرابوں کی طرح استعمال کرتے رہے ہوں گے حالانکہ وہ بہت قلیل مقدار میں صرف کھانے کے بعد پی جاتی ہیں۔ اور عموماً میٹھی ہوتی ہیں جن میں مختلف خوشبوئیں دماغ کو دھوکا دیا کرتی ہیں۔ اور مختلف اجزا سے طیار ہوتی ہیں نفاست خیال کے پہلو سے بھی اگر دیکھیے تو شراب ویسی ہی قابل نفرت ہے جیسی دوسرے پہلوؤں سے۔ ہمارے صوبے کی تخمیناً ایک سب سے جلیل القدر ذات جن کے شامے کی لطافت اُن کے دل و دماغ کے صفات کی طرح لاجواب ہے مجھ سے کہتے تھے کہ شراب پینے والوں میں اتنے بڑے خوش مذاق ہیں اس کی کھٹاس کی بو سے کراہت کیوں نہیں کرتے۔ میں نے کہا کہ بعض شرابوں

میں خوشبوؤں کے بقعہ چھوٹا کرتے ہیں۔

اُنھوں نے جواب دیا کہ سڑا ہند کی بو پھر بھی ہوگی کیونکہ کسی چیز کی اصلیت کہاں جائے گی۔ دواقعی کھٹاس کی بو ہر حال میں باقی رہتی ہے۔ ایک دوسرے عنایت فرمانے بھی ایک بات اسی طرح کی کہی جو مجھ کو بہت پسند آئی۔ اُنھوں نے کہا کہ حظ مباشرت جس سے بڑھ کر کوئی دوسرا حظ نہیں اس کو مدہوش ہو کر کم کرنا کسی نفیس مزاج کو پسند نہ ہوگا۔ اس میں کلام نہیں کہ بات نہایت معقول ہے۔ کیونکہ کھانا کھانے میں جب زبان کی خصوصیت میں جو کھاپن آجائے پھر کسی قدر بد مذاقی ہے کہ آدمی دوران خون بڑھا کر اس حظ کو گنٹھل کرے جس کا اثر آدمی کے ہو بہو موہین ہوتا ہے اور جس کا مقابلہ کوئی دوسری مادی لذت نہیں کر سکتی۔

باب پنجم

"جارج ہرتھ کا قول ہے" میں یہ نہیں کہتا کہ انسان بڑھاپے میں اعضائے تناسل سے ہر وقت کام لینے کی کوشش کیے جائے مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ انسان کے دل کو یہ تقویت رہنی چاہیے کہ میں قادر ہوں اگر یہ نہ ہوا تو کچھ نہیں" ہر صحیح اور تندرست انسان سن شعور پر پہونچ کر اس نعمت سے مستفیض ہوتا ہے اور بقائے جنس کے خدمات انجام دیتا ہے۔ اس قوت سے یہی فائدہ نہیں بلکہ تمام وہ صفات جو مرد کے جوہر میں اسی قوت کے قدموں سے لگے ہیں جانوروں میں بھی یہی حال ہے۔ آختہ اور نر گھوڑے میں فرق دیکھ لیجیے وہ دم خم چمک دمک کنڈہ گھونگھٹ جو نہ صرف گھوڑوں کی قوم کو نگاہ میں ممتاز کرتا ہے بلکہ سوار کی بھی قدر بڑھاتا ہے۔ سب اسی صفت پر موقوف ہے۔ آختہ ہونے کے بعد سب کچھ رہ جاتا ہے مگر وہ بات نہیں رہتی۔ ہولاک ایلس کا خیال ہے جس سے دوسرے مصنفین نے بھی اتفاق کیا ہے کہ شروع شروع مرد کے ظاہری اور نیز باطنی اعضائے تناسل دوسرے حصص سے بے خبر رہ کر عمل کرتے ہیں جس کو اصطلاح میں خواہش مردی کہہ لیجئے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ یہی قوت ہے جو شاعری مصوری اور دوسرے لطیف فنون میں ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ تمام وہ باتیں جن کو مرد فخر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور عورت قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے اسی قوت کے مظاہر ہیں۔ شاہ ملک کلام نٹشے بھی اسی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ ہمارے بہت سے قول مثلاً نفرت غصہ شہوت کا اگر کوئی کار آمد مصرف مثل چارا کاٹنے قاصدی کرنے یا ہل چلانے کے نہ نکالا گیا تو یہ مضر ثابت ہوں گے اس کے ظاہری معنی یہی معلوم ہوتے ہیں کہ انسان میں یہ قوے بھی فائدہ رسانی ہی کے لیے

خلق ہوئے ہیں۔ مگر ان کے استعمال میں بڑی احتیاط برتنی چاہیے تاکہ مثل دو دھاری ہتیار کے یہ خود استعمال کرنے والے کو نقصان نہ پہنچادیں خواہش فردی سے گزر کر خواہش اشتراکی ہے اور یہی اس باب کا موضوع ہے عموماً ہر صحیح تندرست آدمی اس نعمت عظمیٰ سے بالکل یا کسی درجے تک اس سے محروم رہ جاتا ہے۔ ایسے لوگوں میں جو پیدائشی ہیں ان کو اس قدر تکلیف نہیں ہوتی جیسی ان بدقسمتوں کو جو بعد کو اس بیماری میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اطبار نے اس بیماری کی دو تقسیمیں کی ہیں۔ ایک وہ کہ جس میں اولاد پیدا کرنے کی قابلیت کے باوجود آدمی مباشرت پر قادر نہیں ہوتا۔ اور دوسرے وہ جس میں باوجود مجامعت کی قابلیت کے اولاد نہیں پیدا کرسکتا۔

اگر اعضا میں پیدائشی نقص ہو تو کچھ کہنا نہیں البتہ جہاں بعد کو ہو جائے تو وہاں علاج کی گنجائش ہے۔ مادہ تو الد میں کیڑے نہ رہ جانا جس میں مجامعت کی قابلیت باقی رہتی ہے۔ لیکن اولاد نہیں ہوتی۔ اکثر تو سوزاک کی وجہ سے ہوتی ہے۔ تندی اور کرختگی کی کمی جلق سے ہو جاتی ہے معدے کی خرابی سے بھی ہوتی ہے۔ کثرت مباشرت سے آتشک چوٹ وغیرہ وغیرہ سے بھی ہوتی ہے۔ جلق کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ عارضہ عموماً باڑہ کے زمانہ میں شروع ہوتا ہے اس کے استاد اکثر ہم مکتب ہوتے ہیں اور بھی سیکڑوں طریقے اس کے ہونے کے ہیں۔ کام کاج نہ کرنا پڑھنے میں دل نہ لگانا ضرورت سے زیادہ گرم کپڑے پہنا۔ گرم لحاف تو شک استعمال کرنا۔ بستر پر بہت دیر پڑے رہنا۔ قصہ مختصر تمام وہ کام جس میں آدمی بے کاری کی وجہ سے منصوبے گانٹھا کرے۔ انگریزی مثل ہے کہ بے کار آدمی کا دماغ شیطان کا کارخانہ ہے۔ جلق کی دریافت اکثر گھوڑے کی سواری کپڑوں کی رگڑ وغیرہ

سے بھی ہو جاتی ہے اور جس لڑکے میں ذرا بھی رجحان اس طرف ہوا وہ اس کو شر
کر دیتا ہے اکثر گود کے بچے اس کے عادی ہوتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ا
بچے اپنے عضو کو ملا کرتے ہیں۔ اس میں ان کو لطف آنے لگتا ہے۔ ناواقف کار عو
یا تو پروا ہی نہیں کرتیں۔ یا بڑی بڑائی لاکھ کی ایک گلی بنوا کر کمر میں باندھ دیتی
ہیں مگر بچہ اس کو چھوتا بھی نہیں۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کے جسم میں کھجلی ہوتی
ممکن ہے کہ غلاف کے نیچے میل دبا ہو جس کو ماں یا انا نے بہت دنوں سے صاف
نہ کیا ہو۔ پیٹ میں کیچوے کی وجہ سے بھی یہ عادت ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں میں
ختنے کا رواج نہیں اُن کو لازم ہے کہ کھال کو الٹ کر میل کچیل کو دور کرنے کی
ضروری عادت ہی لڑکوں میں پیدا کر دیں نہانا مقصد ہے لیکن ایسا نہ
کہ صبح کو [illegible] لوٹے پانی ڈال لیا جس سے دھوتی بھی نہ بھیگی کوئی فائدہ نہیں رکھ
جلق میں جو بات سب سے زیادہ تباہ کرنے والی ہے وہ رگ و پٹھوں کا خراب
ہونا نہیں ہے بلکہ عام جسم کا انس نکل جاتا ہے۔ اکثر اخراج کی وجہ سے دل
دماغ کمزور ہو جاتا ہے۔ چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ اعضا ڈھیلے ہو جاتے ہیں دل دھڑکنے
لگتا ہے کام میں جی نہیں لگتا۔ سر چکر کھایا کرتا ہے۔ زیادہ تر طالب علم جو امتحان
میں فیل ہوتے ہیں یا شروع کی ذہانت حافظہ کھو کر کودن ہو جاتے ہیں اسی کے
مارے ہوتے ہیں۔ نقصانات کی فہرست طویل ہے لیکن جو مصیبت سب سے پہلے نازل
ہوتی ہے وہ نفسیات کی رو سے ہے یعنی آدمی کی عقل اُس کی خواہش سے
دب جاتی ہے۔ دنیا کے ہر کام میں زندگی کے ہر شعبہ میں اس کا نقصان عمر
بھر تباہی لایا کرتا ہے۔ عقل بالکل جیسے بھیڑ کی طرح خواہش سے دب جاتی
ہے جو بات عقل فائدے کی بتاتی ہے اس کو آدمی او نہ کر کے ٹال دیتا ہے
آدمی روتا ہے۔ مگر کام شروع کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ اعضاء کی خرابی

کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں کہ رگڑ تگڑ سے رگ پٹھے بجائے کمزور ہونے کے قوی ہوتے ہیں۔ بڑے آدمیوں کی بڑی بات ہم نہ ڈاکٹر نہ حکیم کیا منہ کھول سکتے ہیں۔ لیکن کتابوں میں یہی پڑھا ہے۔ اور اس قدر اخبار سُنے ہیں جو عام علم کا درجہ رکھتے ہیں کہ عضو مخصوص کا سر تندرستی کی حالت سے زیادہ بھاری ہو گیا ہے چہرہ کے پاس عام حالت سے زیادہ لاغری آگئی ہے آدمی عورت کے کام کا نہیں رہ گیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اعضار کی کامل مضبوطی کے بعد کبھی کبھار کی بات سے ہرج نہ ہوتا ہو اور صرف کثرت ہی سے یہ تمام باتیں پیدا ہوتی ہیں لیکن جہاں تک عام جسم کی حالت کا تعلق ہے یعنی چہرے کا زرد ہو جانا ہاتھ پاؤں کا لاغر ہو جانا چہرہ بدرونق ہو جانا۔ یہ تو ہر ایک مرتبہ کی دیکھی بات ہی رہی ہمت کی پستی ارادے کی کمی ان عیوب کے پیدا ہو جانے میں کوئی اختلاف نہیں۔ سب سے سخت عیب جو اس نالائق عادت میں ہے وہ یہ کہ اس کی روک ٹوک ناممکن ہے۔ اور جہاں ایک مرتبہ لڑکا سیکھ گیا اُس کا بھولنا ویسا ہی ناممکن ہے جیسے الف بے کا اگر کوئی ماں باپ لڑکے کی ایسی حالت دیکھیں تو عام اس سے کہ باڑہ کا زمانہ ہو یا کامل بلوغ کا شادی کر دینا چاہیے۔ کیونکہ یہ عادت اسی طرح سے چھوٹ سکتی ہے۔ دقت کی شکایت بھی اس عادت سے ہو جاتی ہے لیکن یہ تمام باتیں تھوڑے دن ترک کرنے کے بعد مٹ جاتی ہیں اور آدمی بالکل اچھا ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی نقصان اور نقصانوں سے زیادہ باقی رہتا ہے۔ تو وہ ہی سب سے بڑا نقصان عقل کی شکست اور خواہش کی فتح کا۔ فرانس کے مشہور سیاسی فلاسفر، روسو نے اپنی اعترافات میں اس عادت کے خود شکار ہونے کا ذکر کیا ہے۔ مگر ان بزرگوار کی یہ حالت بھی ہو گئی تھی کہ ایک مرتبہ کسی بازاری عورت کے بڑے اشتیاق

سے گئے تھے اور جیسے گئے تھے ویسے ہی واپس چلے آئے۔ جب وہ عورت انکی
طرف سے بے آس ہو گئی اور اُنھوں نے عذر خواہی میں فرمایا کہ کیا کہوں
جیسے ہی میں نے تمھارے گھر میں قدم رکھا ایک ریاضی کا بہت پیچیدہ مسئلہ
دماغ میں ایسا جاگزیں ہو گیا کہ اس وقت طبیعت مخاطب نہیں ہوتی تو اس سے
نہ رہا گیا اور کہہ بیٹھی "تو پھر عورتوں کو کیوں گھیرے رہتے ہو۔ جاؤ ریاضی
سے دل بہلاؤ"۔ اس قصہ کے بیان کرنے کا مدعا یہ ہے کہ اس طرح اتفاقی حالت
ممکن ہی تندرست سے تندرست مرد کی بھی عمر میں ایک مرتبہ ہو جائے۔ لیکن
دیکھا بھی گیا ہی کہ صرف ایسے لوگوں کی ہوتی ہی جن کی قوتیں اس وجہ سے کم
رہ گئی ہیں۔ یا اعصابی مزاج واقعہ ہوئے ہیں۔ ردسو کی ایسی
حالت کو روحانی نامردی کہتے ہیں پہلے پہل اکثر یہ ہوتا ہے
کہ آدمی کسی وجہ سے ایک عورت سے صحبت کرنے میں ناکامیاب
رہتا ہے اور اس کے بعد ہر عورت کے ساتھ یہی معذوری پیش آتی ہے۔ اگر
یہ حالت کسی بڑے اختلاف طبع پر مبنی ہے تو تو مشکل سے وہ جب کبھی ایک مرتبہ
بھی کسی عورت سے کامیاب ہو گیا تو رفتہ رفتہ ہر عورت کے ساتھ مباشرت کر سکتا ہی اور اس
عورت کے ساتھ بھی کمی جاتی رہتی ہی۔ اگر کسی کو ایسا واقعہ پیش آئے تو اُس کو
فکر کرنا چاہیے کہ کونسے اسباب ایسے ہیں جن کا اثر خراب پڑتا ہے آیا کوئی بو
یا خوشبو ناگوار ہے۔ کسی چیز کا دھڑکا تو نہیں لگا ہے فریق ثانی کی کوئی ادا تو
ایسی نہیں ہی۔ جس سے کوئی اس طرح کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو پریشان کن
ہی۔ اور اسی طرح کے سیکڑوں وجوہ بیان کیے جا سکتے ہیں ایسی حالتوں میں
بیماری کے دور ہو جانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اگر خیالات میں تبدیلی
پیدا کر دی جائے۔ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ جگہ۔ وقت۔ قطع۔ حرکات

سکنات اگر بدل جاتے ہیں۔ تب بھی یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر ان باتوں سے
بہت پریشان نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ کسی لائق ذی علم ڈاکٹر سے پورا کچا چھٹا کہہ دینا
چاہیئے۔ اور اس کی صلاح پر عمل کرنا چاہیے۔

ایک امریکن ڈاکٹر نے لکھا ہے۔ کہ ایک مریض ایسا تھا جو اپنی نئی نئی بی بی
کو عمل زن و شو سے بلند تر سمجھتا تھا۔ اور اس عمل کو گندہ خیال کرتا تھا۔ اس کا دل
کہتا تھا کہ ایسی پاک صاف ہستی کا یہ نجس مصرف۔ یہ اس کی حماقت تھی۔
عورت و مرد کا رابطہ نہ نجس ہے نہ کوئی عورت یا مرد اس فعل کو اپنے لیے
کمتر سمجھ سکتا ہے۔ کھانا پینا وغیرہ خود اپنی ذات کے فائدہ تک محدود ہے
یہ وہ حکم خدا ہے جس میں اس کے دو بندے ایک ہی وقت فائدہ اُٹھا رہے
اور فائدہ پہنچا رہے ہیں۔

شکسپیر نے رحم کے لیے لکھا ہے۔ کہ خدا کی رحمت میں وہ در آتا ہے جو رحم
کرتا ہے اور وہ بھی در آتا ہے جس پر رحم کیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں جنسی
فرائض کے اوپر یہ قول بدرجہ اولیٰ صادق آتا ہے لیکن شرط یہ ہے۔ کہ یہ
اس طرح ہو کہ ضمیر کو ناگوار ہو۔ ورنہ اس کی برابر بڑی چیز مشکل سے نظر آتی
ہے۔ ڈاکٹروں کا تجربہ ہے کہ ہزاروں نوجوان لڑکے اُن کے پاس آئے
ہیں اور اپنی خیالی مصیبت کا دکھڑا رو دیتے ہیں۔ میری شادی ہونیوالی
ہے۔ لیکن میں بالکل از کار رفتہ ہوں۔ جلد کوئی دوا دیجئے ورنہ خودکشی کر لوں گا
اور یہ دھڑکا اُس وقت تک دور نہیں ہوتا جب تک شادی نہیں ہو جاتی خیالی
نامردی کی نیو یہیں سے پڑتی ہے۔ اور ایسے ہی لوگ آگے چل کر خیالی نامردی میں مبتلا
ہو جاتے ہیں۔ نشہ کی زیادہ عادت سے بھی آدمی از کار رفتہ ہو جاتا ہے۔
جیسا کہ شراب کے بارے میں بیان ہوا ساٹھ ستر برس اُدھر تک افیون

کا رواج بہت تھا۔ اور آج بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے۔ امساک کا کوئی نسخہ مشکل سے نکلے گا جس میں بھنگ اور افیون کا جزو نہ ہو۔ اور افیون کی عادت جیسی پڑتی ہے۔ ظاہر ہے افیون کھانے والے تھوڑے دن امساک وغیرہ کا لطف حماقت آمیز اُٹھاتے ہیں۔ اس کے بعد نہ اُمنگ باقی رہتی ہے نہ تمنا اس میں کوئی شک کہ مرد کو عورت کی خواہشات پوری کرنے کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے

ڈاکٹر میری اسٹوپس نے اس بات پر بہت زور دیا ہے اور ہولاک ایلس کا قول نقل کیا ہے جہاں اس نے بسند دیگر محقق بیان کیا ہے کہ تمام اُن عورتوں میں جو رحمی شکایات میں مبتلا ہوتی ہیں چھہتر سیکڑہ اس وجہ سے ہوتی ہیں کہ مباشرت میں ان کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔ یورپ کی یہ حالت ہو لیکن مشرقی ممالک میں یہ شکایت نہیں کیونکہ یہاں ہر شخص دوسرے کی خواہش کو پورا کرنا عادتاً اپنا فرض جانتا ہے۔ یہ صرف خیالی دعویٰ نہیں ہے بلکہ بقول مختلف حکمار گرم ملک والے جنسی قوی میں سرد ملک کے باشندوں سے بہتر ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے دوائیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر درمیان میں محبت ہے تو ایثار اور استبشار تندرست انسانوں کا کام نکالے جاتے ہیں۔ اگر محبت نہیں ہے اور صرف شہوت پرستی ہے جس میں خرید و فروخت کی ٹھہری ہے۔ تو آدمی بے کار زحمت کا ہیکو اُٹھائے گا۔

(دیباچہ ملاحظہ ہو) کثرت مباشرت سے بھی آدمی رجولیت سے گزر جاتا ہے اس کی دوا صرف یہی ہے کہ پرہیز کیا جائے۔ طلا وغیرہ ہمیشہ مضر صحت ثابت ہوئے ہیں تیز دوائیں لگا کر جلد میں سوزش پیدا کردی جاتی ہے جس سے رگوں میں خون زیادہ دوڑنے لگتا ہے۔ مگر اس زیادتی کا نتیجہ آخر کار کمی ہوتا ہے کیونکہ جو زیادہ دوڑے گا وہ زیادہ تھکے گا بھی۔ کھانے کی دواؤں میں ایسی دواؤں

کو ترجیح دینا چاہیے۔ جو غذائیت رکھتی ہوں اور معدہ کو درست کرتی ہوں
معدہ اگر درست رکھا جائے تو پچہتر سیکڑہ آدمیوں کی شکائیتیں دور ہو جائیں
اور باقی ماندہ۔ ۲۵ سیکڑہ کو افاقہ نظر آئے ظاہر ہے کہ اس کتاب میں معالجات
نہیں لکھے جاسکتے ہیں چند چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ شہد۔
انڈے۔ دودھ۔ عنبر کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ قیمت کی زیادتی کی وجہ سے
ہر شخص تجربہ نہیں کرسکتا۔ مگر کتابوں میں دیکھا ہے۔ کہ جب ملاح لوگ سمندر
میں اس کو پاتے ہیں تو بندر پر پہنچ کر ادھم جوت دیتے ہیں۔ ان سب چیزوں
سے بڑھ کر بھی جو عمل ہے وہ پرہیز اور پاکیزہ خیالی ہے خیالی نامردی کی ابتدا نہ معلوم کیوں
ہوتی ہے شاید یہ وجہ ہوئی ہو کہ دو چار مرتبہ غلط کاری سے یہ وہم پیدا ہوتا
ہو یا از روئے نفسیات کوئی اور وجہ ہو۔ نوجوانوں کو اپنے اوپر بھروسہ رکھنا
چاہیے اور یہ خیال کرنا چاہیے کہ خدا کی نعمتیں عام ہیں۔ ہم بلا وجہ کیسے محروم
رہ سکتے ہیں۔ بلا استعمال اگر تندی وغیرہ نہ ہو تو ہرگز نہ گھبرانا چاہیے۔ کیونکہ
اگر آپ کے اعضا میں ظاہر بظاہر کوئی پیدائشی نقص نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں
کہ آپ بہمہ وجوہ تندرست نہ ہوں۔

اس ضمن میں یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ جریان کے خیالی یا واقعی مرض سے
بھی نوجوان لوگ بہت پریشان ہوتے ہیں۔ یہ مرض خراب عادتوں اور نیز
معدہ کی خرابی سے ہوتا ہے اس کی علامتیں یہ ہیں کہ احتلام زیادہ ہونے لگتا ہے
چہرہ زرد جسم لاغر اور قلب دھڑکنے لگتا ہے۔ محنت نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ علامتیں
کسی خراب عادتوں کی بنا پر نہیں ہیں تو تھوڑی سی احتیاط مرض کو دور کر دیگی
رات کو فرش یا تخت پر سونا۔ چت نہ لیٹنا۔ شام کو بھی چوکی پر جانے کی
عادت ڈالنا۔ پیشاب کر کے آرام کرنا۔ رات کو غذا کی تخلیل کرنا اور معدے

کا فعل درست کرنا یہ مجرد آدمی کو اگر ہفتہ میں ایک مرتبہ خواب ہو جائے تو چنداں پروا نہ کرنا چاہیے کیونکہ سوتے میں جو اخراج ہوتا ہے وہ تمام قیمتی جوہر کا نہیں ہوتا بلکہ اس میں اور بہت سے رطوبات نکلا کرتے ہیں۔

باب ششم

امردپرستی کا نجس اور ناگوار مبحث ایسا نہیں ہے جس پر لکھ کر دل خوش ہو مگر ضرورت کی مجبوری سب کچھ کرواتی ہے۔ یہ فعل شنیعہ اچھا خاصہ عام ہے۔ قدیم مکتبوں میں بھی پایا جاتا ہے اور آج کے مدرسوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس موضوع پر یورپین تصانیف سے مضامین لے کر لکھنا نہیں چاہتا اسی وجہ سے یہ باب بہت چھوٹا ہوگا۔ یورپ کی علمی تحقیقاتیں بڑی عمدہ چیزیں ہیں۔ لیکن انھیں لوگوں کے لیے ہیں جو علم میں پایہ رکھتے ہیں۔ اگر کوئی فرومایہ لکھتا ہے تو قدم قدم پر یہ خدشہ رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مافی الضمیر ادا کرنے میں قاصر رہ جاؤں اور نتیجہ غلط نکلے اس کے علاوہ خلاف فطرت طریقوں میں وہ شیطانی ذہانتیں کام میں لائی گئی ہیں۔ کہ اُن کے ذکر سے روح کو متلی ہوتی ہے۔ اور عقل دوراندیش چلاتی ہے کہ ایسے موقعوں پر جہل شے بہتر از علم شے ہی مناسب ہے۔ بہر حال اس قدر لکھنے میں کوئی ہرج نہیں ہے کہ یہ عادت خواہ پڑنے کی وجہ سے یا بعض مذاہب قدیم و جدید کے غلط مفہوم کی وجہ سے ہو ایک بلائے بے درماں ہے جس کی برائی زناکاری سے بدرجہا زیادہ قابل نفرت ہے تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے لوگ ہر خطہ زمین میں ایسے ہوئے ہیں۔ جن کی نسبت اس طرح کی باتیں مشہور ہوئی ہیں۔ مگر یہ دلیل اس بات کی ہرگز نہیں ہو سکتی کہ کوئی شخص اسی بنا پر اپنے لیے اس کو جائز جانے۔ دنیا میں بہت سے لوگوں نے چوریاں کیں ہیں خون کیے ہیں۔ کرایہ پر ناکیں کاٹی ہیں۔ مگر اس وجہ سے ان حرکات کا جواز کسی شخص کے لیے نہیں ثابت ہوتا۔ اس معاملہ میں اکثر حضرات کی بے حیائی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اس کا نام حسن پرستی

رکھاہی حسن پرستی ایک اعلیٰ درجہ کی چیز ہی۔ جس کو نجاست سے کوئی علاقہ نہیں
"حسن" جو با لفاظ دیگر جمال الہٰی ہے۔ اس کے مظاہر آدمی ہر پھول میں دیکھے
پتی میں دیکھے نہایت ہی پاک اور کامیاب طریقہ سے عورت میں دیکھے اور عورت
مرد میں دیکھے اپنے سے کمسن ہمجنس میں اس طرح دیکھنا کہ گویا کسی دوسرے انسان
میں یہ چیزیں مفقود ہیں بڑے معنی رکھتا ہی۔

ہزاروں نالائق حسن پرستی کے مبارک لفظ کو خاک میں ملاتے ہیں حالانکہ
اُس کے معنی تک نہیں جانتے۔ جس وقت ایک مُسن آدمی کسی کمسن کو دیکھتا ہے تو
اُس کے دل میں ایک احساس خوشی کا ہوتا ہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی افکا
کامدار خود غرضی اور ہمدردی کے عمدہ تناسب کے اوپر واقع ہوا ہے۔
اسی بنا پر ہم جب کسی کو بیمار دیکھتے ہیں تو دہل جاتے ہیں یہ کیفیت اسی
فطرتی خود غرضی اور ہمدردی کا نتیجہ ہے جس پر انسان کی ساخت ہوتی ہے
یعنی بیماری کی وراثت آدم سے ہم کو اس طرح پہنچی ہے جیسے اس شخص کو گویا
اس کی بیماری خود ہماری علالت کا پیش خیمہ ہے۔ یہی حالت تندرستی کی ہے
ہی جب ہم دوسروں کو شفایاب ہوتے دیکھتے ہیں تو ہم کو بھی اچھے ہونے کی امید
پڑتی ہے۔ آدمی کو خبر ہو یا نہ ہو مگر جب وہ کسی ہونہار جوان کو اپنے قریب پاتا
ہی تو فطرت کا وہ تقاضا جو انسان کو کامیابی کی طرف لے جاتا ہی۔ جاگ اُٹھتا ہی
اور آدمی کا دل رضامند کمسن کی طرف کھنچ جاتا ہے۔ فطرت کہتی ہی کہ اے شخص تیرا
وقت گزر گیا تو کوئی ہرج نہیں اگر تیرے ہاتھ سے تیر نکل چکا اور نشانہ خالی گیا
تو کیا پرواہ ہی۔ یہ دوسرا انسان جو تیرا ہی مثل ہی بلکہ تو ہی دوسرے جامہ
میں ہے۔ ابھی تیر چٹکی میں لیے ہے، اگر اس نے نشانہ اُڑا دیا تو وہ بھی تیری
ہی کامیابی ہے۔ ایک طرف سن کی زیادتی کے ساتھ ناکامیابی، گزشتہ مواقع

کا ملال۔ آیندہ سے یاس۔ دوسری طرف سن کی کمی کی وجہ سے ہر موقعہ آنے والا ہی جس میں کامیابی اسی طرح قبضہ اقتدار میں ہے جس طرح ناکامیابی۔ انحطاط کی جگہ امنگ ہی۔ انفعال کی جگہ ہمت ہے۔ اور تجربہ کی بزدلی کی جگہ الہڑپن کی عالی حوصلگی ہے۔ جس کی سب سے بڑی دلاویزی مشکلات سے بیخبری ہی۔ یہ وہ کیفیت ہے جو ہر باپ بیٹے کو دیکھ کر محسوس کرتا ہی۔ اور اسی کو شاعر کہتا ہی

ع۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔

سرسید علیہ الرحمۃ نے۔ ایک نکتہ کہانی کی صورت میں بیان فرمایا ہی جس میں خواب کا استعارہ کیا ہی۔ اس کا خلاصہ یہ ہی۔ کہ ایک اندھیری ڈراونی رات میں۔ ایک ضعیف اپنی گزشتہ زندگی پر افسوس کر رہا ہی کہ اتنے میں خدمت کی پری، جس کا نام ہمیشہ رہنے والی نیکی بھی ہی۔ آسمان سے اُترتی ہے وہ محسوس کر رہا ہی کہ میرا وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ اب یہ معشوقہ میری نہیں ہوسکتی اتنے میں لوگ اُس کو یہ کہہ کر جگاتے ہیں۔ کہ بیٹا اٹھو عید کی صبح ہی۔ اور زندگی کی ابتدا۔ گویا گھر کے بڑے بوڑھے زبان حال سے اس لڑکے کو بتا رہے تھے کہ وہ معشوقہ تیرے انتظار میں بیٹھی ہے۔

ناظرین۔ اس دلاویز نقل میں یہ ثابت کیا گیا ہی کہ بڈھاپے میں کیا حسرتیں انسان کو گھیرے رہتی ہیں۔ اور سوا اس کے کہ وہ جوانوں کو کامیاب دیکھ کر پوری ہوں۔ اور کوئی صورت نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے مسن انسان جوان کا بہی خواہ ہوتا ہے۔ اور اس کو دیکھ کر خوش وقت ہوتا ہے۔ یہ ایک عجیب کیفیت ہے جس سے بڈھاپا مستفیض ہوتا ہے جو زیادتی عمر کی محدود نعمات میں سے ہے۔ اگر اس کا نام حسن پرستی ہی تو واقعی خوب چیز ہے۔ کیونکہ اس میں کسی فرد کی قید نہیں نہ کسی خاص تناسب اعضا کی پابندی ہی۔ اگر حسن پرستی

اس سے آگے بڑھی تو گستاخی معاف شیطان کی شاگردی ہی۔ اور اس گناہ کے خلاف احتجاج اس باب کا نصب العین ہی۔ گنہگاری جب انتہا کو پہنچ جاتی ہی تو انفعال مٹ جاتا ہے۔ اخلاق کا یہ سرطانی پھوڑا یوں تو ہر جگہ پایا جاتا ہی۔ لیکن بعض اضلاع اور بعض طبقوں میں اور بعض درسگاہوں میں اس قدر عام ہی۔ کہ جو لوگ اس میں آلودہ نہیں بھی ہیں وہ بھی اس کو زیادہ بڑا نہیں سمجھتے۔ اگر لوگ حیا کو ایمان کا جزو سمجھ کر اس قسم کے اذکار کو داخل ظرافت نہ سمجھیں تب بھی غنیمت ہی۔ مگر مہذب لوگوں کو اس قسم کی باتیں کرتے سنا ہی۔ کاش یہی نہ ہوتا لعنت بکار شیکان۔

علت مشائخ۔ لغت میں اس مفعولیت کی عادت کو کہتے ہیں جو بڑھاپے میں خشکی کی وجہ سے ہو جانا بیان کی جاتی ہی۔ یہ ہرگز قرین قیاس نہیں ہی۔ اگر کسی نے بچپن میں اس کو نہیں جانا ہی تو بڑھاپے میں یبوست کی وجہ سے اس کا عادی ہو جائے اسی قسم کے بہت سے لغو دلائل تھے جس کی وجہ سے میں نے بہت سی کتابوں سے انتخاب چھوڑ دیا کیونکہ وہ اس سے بھی کچھ آگے بڑھے ہوئے تھے۔

یہ رسالہ صرف نوجوان مردوں کے لیے لکھا گیا ہی۔ اگر آدم و حوا کی سنت پر نظر کر کے کچھ ہسٹیریا پر بھی لکھ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا وہ تہذیب جو ملکی زمین و آسمان وطنی خصوصیات قومی روایات سے پیدا ہوتی ہے کسی وقت مضر نہیں وہ تہذیب جو دوسرے ممالک دوسری قوموں اور دور دراز کے سمندر سے آتی ہے۔ اسی طرح کار آمد ہو سکتی ہی جیسے مانگے کے کپڑے جن سے ستر پوشی بھی ہو جاتی ہے اور کپڑے کے بھول بتی کی نفاست بھی ویسی ہی رہتی ہے مگر اینچ کھینچ کر لینے کی وجہ سے نہ تراش کی خوبصورتی باقی رہتی ہے

نہ تناسب اعضا ر کا پورا پتہ چلتا ہی۔ اگر صرف اس قدر خرابی ہوتی تو خیر غضب
تو یہ ہوتا ہو کہ یہ لباس کہیں ڈھیلا ہوتا ہی کہیں کسا جس کی وجہ سے موسم اور ہوا سے
پوری حفاظت بھی نہیں ہو سکتی جس کا اثر تندرستی پر پڑتا ہی۔ خدا کرے یہ
طولانی تشبیہ ٹھیک اُتری ہو اور میرا مطلب ذہن نشین ہو جائے۔ یعنی موجودہ
تہذیب اپنی بے انتہا خوبیوں کے ساتھ بہت سے اعصابی امراض بھی جلو میں
لائی ہے۔ اور ہسٹیریا بھی انھیں میں سے ایک ہے۔ یہ مرض ہندوستان
کے لیے نیا نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ عورتیں جو جنات بھوت چڑیل وغیرہ کے
زیر اثر سمجھی جاتی تھیں اصل میں اسی بیماری کی شکار ہوتی تھیں بہت سی عورتیں
بدکاری کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے جھوٹھ موٹھ کی بیماری طیار کرتی تھیں
اور آج بھی ایسا ہوتا ہی لیکن پھر بھی اس آزار کی یہ شدت کبھی نہیں تھی جو
آج دیکھنے میں آتی ہی۔ فی زماننا نہ معلوم کس قدر نوجوان عورتیں اور لڑکیاں اس میں مبتلا
دکھائی دیتی ہیں وہ عورتیں جو ذہین تیز اور نازک واقع ہوئی ہیں موٹی بھدی نسل
لڑکیوں کی بہ نسبت زیادہ مبتلا ہوتی ہیں احتناق الرحم ہسٹریا کا قریب
قریب لفظی ترجمہ ہی کیونکہ ہسٹریا یونانی زبان میں ایک لفظ سے مشتق ہی
جس کے معنی عورت کا رحم ہے اگلے زمانے میں جب ہر چیز کی دریافت
اس قدر وسیع اور گہری نہ تھی۔ بیماریوں کی تعریف جامع زیادہ اور مانع
کم ہوتی ہے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ فلاطون نے فرمایا ہی کہ رحم ایک
ذی روح ہی جو توالد و تناسل میں اگر کامیاب نہیں ہوتا تو غصہ سے جز بز
ہو کر تمام مقامات پر دوڑا دوڑا پھرتا ہے روح کو حیران کرتا ہے پھیپھڑوں
کی راہ بند کرتا ہے اور جسم میں طوائف الملوکی پیدا کرتا ہی۔ ملاحظہ ہو ارگا
کالجی مصنفہ اُود حاشیہ صفحہ ۲۰۳)

لفظ ہسٹریا یا اختناق الرحم کے معنی تو یہ ہوئے جو اوپر بیان کیے گئے لیکن مفہوم میں وہ عارضہ بھی شامل ہے جو دوسرے اعضاء کی وجہ سے یہی اثرات پیدا کرتا ہے اور کبھی کبھی مردوں کو بھی ہوتا ہے۔ اس حالات میں اس عارضہ کا مرکز دماغ وغیرہ ہوتا ہی مقعد کے عوارض سے بھی ہسٹریا سُنا گیا ہے۔ مگر عورتوں میں ڈاکٹروں کا تجربہ ہے کہ اس عارضہ میں جنسی اعضاء ضرور ماؤف ہوتے ہیں عورتوں میں ہسٹریا کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں۔ ایک وہ جو فطرتی کیفیات سے پیدا ہوتی ہے مثلاً ایام کے دنوں میں حمل میں بلوغ کے وقت رسن یا سن کے شروع میں ان اوقات میں اعضاء جنسی میں ایک تغیر تبدل واقع ہوتا ہی۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں اندرونی اعضائے تناسل میں ورم ہو جاتا ہی یا دوسری طرح اپنا کام پورا نہیں کرتے جو لوگ جنات بھوت پلید کا تعلق نوجوان عورتوں سے ماننے پر نہیں بھی طیار ہیں وہ بھی ایک دوسری طرح کے مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں یعنی کبھی کبھی اس مرض میں جو بہت کم مہلک ہوتا ہی اور صرع میں جو بہت ہی بُرا مرض ہے فرق نہیں کرتے اس لیے مابہ الامتیاز نکتے ڈاکٹر مور کی فیملی مڈسن سے نقل کیئے جاتے ہیں گو ترجمہ لفظی نہیں ہی۔

	صرع	ہسٹریا
دورہ کے شروع میں چیخنا — —	— — ایک بار — — —	کئی بار ہو سکتا ہے
گر پڑنا — — — — — — —	یکبارگی ممکن ہے چوٹ آجائے۔	ہاتھ پاؤں بچا کر غش کرنا۔
پیشاب — — — — — — —	عالم غشی میں اکثر ہو جاتا ہے —	کبھی نہیں ہوتا — — — —
زبان — — — — — — —	دانت سے اکثر کٹ جاتی ہی۔	زبان کبھی نہیں کٹتی ہونٹھ ممکن ہی کٹ جائے جس میں تکلیف کم ہوتی ہی
ہاتھ پاؤں مارنا — — — —	بلا رجہ — — — — — —	عموماً تیمارداروں کے مقابلہ میں

	صرع	ہسٹیریا
موقع ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	تنہائی یا غیر تنہائی میں ۔ ۔ ۔	صرف اس وقت جب لوگ موجود ہوں
طول ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	صرف تھوڑی دیر ۔ ۔ ۔ ۔	دن دن بھر لگ جاتا ہے۔
انداز ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	جیسا کہ بیان ہوا ۔ ۔ ۔ ۔	مختلف طریقوں سے جس میں ممکن ہو کہ خوبصورتی کی دھج نکلے ۔
چوٹ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مریضہ اکثر زخمی ہو جاتی ہے۔ ۔	خود کبھی نہ چوٹ کھائے گی ممکن ہے تیمار داروں کے ناخن یا دانت لگ جائیں ۔
جنس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	دونوں جنسوں کو ۔ ۔ ۔ ۔	زیادہ تر جوان عورتوں کو ۔

اگر اس نقشہ کے بین السطور پر غور کیجئے جہاں معنی لکھے ہوتے ہیں تو خیال گزرتا ہے کہ صرع ایک مرض ہے اور ہسٹیریا ایک قسم کا موذی غمزہ ہے یہ ہرگز نہ ہونا چاہیے ۔ کیونکہ یہ واقعی ایک مرض ہے جس میں عورت کو اچھی خاصی تکلیف ہوتی ہے ۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ چونکہ اس موہنی جنس کی فطرت میں ایک خوشگوار ۔ دلاویز دلکش تصنع شامل ہے ۔ اس لیے یہ بیماری اس جنس کو زیادہ ہوتی ہو ۔

ہسٹیریا کے مریضہ سے سختی کے ساتھ ہرگز نہ برتاؤ کرنا چاہیے لیکن معالجات میں نرمی برتنا اس سے بھی زیادہ مضر ہے ۔ بازو کس کر باندھنا ۔ یا تیز دوائیں مثل چونا اور نوسادر کے مرکبات کے جس کو امونیا کہتے ہیں ۔ یا ولرس وغیرہ کے سنگھانے میں اگر نرمی برتی گئی تو گویا مرض پال لیا ۔ تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ ہسٹیریا اور نوجوانی کی قید کوئی لازمی بات نہیں ہے بلکہ بعض مزاج

اس طرح کے واقع ہوتے ہیں کہ وہ ہر زمانے میں بیماری کا شکار رہتے ہیں۔ اس مزاج والیوں کو جو بیماری ہوتی ہے وہ زیادہ شدید معلوم ہوتی ہے۔ خود اس عارضہ کی ہزاروں صورتیں ہیں۔ بسیار شیوہ است بتاں را کہ نام نیست۔ ہنسنا رونا۔ گھڑی گھڑی مزاج کا رنگ نرالا ہوتا ہے۔ اگر بخار بھی آئے تو عموماً اس طرح کا نہ ہو جیسے دنیا کو ہوتا ہے بلکہ توقع کے خلاف کوئی نہ کوئی بات انوکھی نکلے۔ مثلاً لرزے کے ساتھ پیاس یا تنہا رہنا نہ پسند ہو پھر بھی تیمارداروں سے کہا جائے کہ جاؤ۔ یا اسی قبیل کی اور متضاد باتیں۔ اس تحریر کا اثر شاید یہ ہو کہ ہسٹریا والیاں مجھ کو کوسنے دیں لہذا پھر عرض کرتا ہوں کہ اس مرض کو ہرگز ہرگز بنوٹ نہ تصور کیا جائے یہ ایک مستقل بیماری ہے اور قابل علاج ہے۔

ایک وجہ ہسٹریا کی اور بیان کی جاتی ہے۔ جو یورپ میں بہت پائی جاتی ہے لیکن ہزار ہزار شکر کی جا ہے کہ ہندوستان کی جہالت یہاں کی عورتوں کو اس سے ایک حد تک محفوظ رکھے ہے۔ حضرت لوط کے قصہ میں لکھا ہے کہ ان کی قوم کو شیطان نے وہ ترکیبیں سکھائیں کہ مرد مرد اور عورت عورت اپنی اپنی ضرورتیں پوری کرنے لگے یورپ کی عورتیں ایک قدم اور آگے بڑھ گئیں۔ یعنی دوسری عورت کی بھی مرہون احسان نہ ہوئیں۔ مریم بن فیض جبریل از مزاج خود گرفت لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔ ممکن ہے کہ ہندوستان میں بھی یہ مضرت والی ترکیب جاری ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر کہیں ہے بھی تو بہت کم۔ عورت کے لیے جلق مرد سے کہیں آسان ہے۔ مرد کی قوت مرکزی ہوتی ہے یعنی چند اعضا اس کے لیے مخصوص ہیں عورت کی قوت منتشر ہوتی ہے یعنی مختلف اعضا میں اس کا اثر ہوتا ہے اور بقول شخصے گردن سے لے کر گھٹنوں

تک ہر جگہ اس کا جلوہ ہی چنانچہ ایک عورت کا واقعہ "بلاک" نے بحوالہ "موریلگیا" لکھا ہی کہ وہ اپنے جسم کے چو وہ مختلف اعضار کے مساس سے منزل ہو جاتی ہیں۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ لڑکیوں کو پاؤں سے چلائی جانے والی کپڑا سینے کی مشین نہ دینا چاہیئے کیونکہ رانوں کو اس میں رگڑنے سے عورت محظوظ ہو سکتی ہی۔ اُوڈ لکھتا ہے کہ ایک لڑکی کرسیوں کی پشت یا دو میزوں کو پکڑ کر اپنا پورا جسم کا بوجھ ہاتھوں میں دے کر اس سے پاؤں اُٹھا لیتی تھی اور اس طرح اپنی پوری تسکین کر لیتی تھی۔ ایک عجیب قصہ اور بھی لکھا ہی کہ ایک لڑکی کو ہمیشہ سے ایک پاؤں ہلانے کی عادت تھی۔ جس سے یقیناً دونوں رانیں آپس میں لڑتی رہی ہوں گی اور اس کو لطف حاصل ہوتا تھا۔ اس کی ماں نے تصدیق کی کہ زمانہ حمل میں ایک پالو بلی پلنگ پر چڑھ آئی ماں نے اس لڑکی کے باپ سے کہا کہ اس کو ہٹا دو چنانچہ اُس نے اُس کو جھٹک کر زمین پر پھینک دیا۔ بلی کے نہ معلوم کہاں چوٹ آگئی کہ وہ ظاہرا مردہ معلوم ہونے لگی یہ عورت چونکہ اس کو بہت چاہتی تھی پریشان ہو گئی تھوڑی دیر میں وہ بلی اپنی ایک ٹانگ جھٹکنے لگی اور اس کے بعد رفتہ رفتہ اچھی ہو گئی۔ لیکن جنین پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ جب یہ لڑکی پیدا ہوئی تو یہ بھی اُسی طرح ٹانگ جھٹکتی تھی اور رفتہ رفتہ اس سے جلق کی صورت پیدا ہو گئی۔ اسی غایت سے حکماء نے کہا ہی کہ ایام حمل میں عورت کو ہر طرح کے پریشان کن باتوں سے بچانا چاہیے۔

لہذا ہر باپ کو بھائی کو اور ہر نوجوان شوہر کو خیال رکھنا چاہیئے کہ اگر کسی نابالغ لڑکی کو کوئی اضطراری حرکت اس طرح کی کرتے ہوئے پاوے تو ہوشیار ہو جائے۔ بالغ لڑکیوں کے چہرے پر ہیجان اور اس کے بعد سکون۔ اور اعضاء کے ڈھیلے ہو جانے کا اندازیا ہیجان کے بعد اعضا کے کانپنے کا انداز اگر دیکھا جائے

تو غافل نہ رہنا چاہیے بلکہ اس کے دفعیہ کی فکر کرنا چاہیئے۔

ہولاک ایلس نے کاونٹ کیزر لنگ کی مولفہ کتاب "میرج" میں اور ڈاکٹر میری اسٹوپس نے اپنی کتابوں میں ہسٹریا کی ایک دوسری وجہ پر بہت زور دیا ہے جس کا تعلق براہ راست نوجوان شوہر سے ہے اور جو یورپ میں بہت پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میری اسٹوپس وغیرہ کا خیال ہے کہ حفظان صحت کی تعلیم اور عمدہ تربیت کی وجہ سے ہسٹریا کا سبب وہ باتیں کمتر ہوتی ہیں جو پہلے بیان کی گئیں۔ اور ان کے بجائے زیادہ تر سبب وہ ہوتا ہے جس میں عورت بیچاری بے بس ہے یعنی مرد کو انزال پیش از وقت ہوجانا اس جگہ اگر ہولاک ایلس کی بیان کی ہوئی عورت کے انزال اور شہوت کی سات مابہ الامتیاز باتیں بیان کردی جائیں تو بے جا نہ ہوں گی۔

۱۔ عورت کی یہ قوت ظاہر بظاہر مفعولیت کی ہے۔

۲۔ زیادہ پیچ در پیچ ہے۔ بمشکل سے پہچان میں آتی ہے۔ بیرونی اشتعال کی زیادہ محتاج ہے اور بہ نسبت مرد کے انزال دیر میں ہوتا ہے۔

۳۔ یہ قوت صرف بار بار کی مجامعت کے بعد عود کرتی ہے۔

۴۔ کثرت مجامعت کے حدود مرد کے مقابلہ میں دیر میں شروع ہوتے ہیں۔ یعنی کثرت مجامعت عورت کو دیر میں نقصان پہنچاتی ہے۔

۵۔ عورت کے جسم میں شہوت صرف دو ایک اعضا میں محدود نہیں ہے۔

۶۔ شہوت کے اوقات مقرر ہیں (ملاحظہ ہو نقشہ مرتبہ ڈاکٹر میری اسٹوپس کتاب ہیپی میرج)

۷۔ عورت کے خواہش سن کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے اور اس کے ابھارنے کے طریقے برخلاف مرد کے مختلف عورتوں میں جدا جدا ہوتے ہیں۔

میرے نوعمر پڑھنے والو یہ ایک نہایت نازک مسئلہ ہے جس میں بلاوجہ صرف مرد کی ناواقف کاری سے عورت کا بیمار پڑجانا ممکن ہے اگر آدمی گنوار ہوا تو وہ چیز جو تندرستی کو بڑھانے والی ہے نقصان کا باعث ہوگی۔ گو کہ گرم ملک کے باشندوں کو اور عنفوان کے زمانے میں اس طرح کے مشوروں پر کاربند ہونا سہل نہیں ہے لیکن اگر یہ باتیں تحویل حافظہ میں رہیں تو داشتہ آید بکار کی مصداق ہونگی۔ مردوں کو چاہیئے کہ قربت سے پہلے خوش دلی کا اظہار کریں بوسہ اور دوسرے عنوان کے مساس سے دوسرے فریق کو اپنا ہم آہنگ اور دیر آید درست کو پیش نظر رکھیں۔ اخلاق کی پورانی کتابیں اس قسم کی ہدایتوں سے مالا مال ہیں اہل ہنود کے یہاں تو اس علم کے اصول اس وقت سے سکھلائے جاتے ہیں جب انگلستان وغیرہ میں لوگ ننگے رہتے تھے اور کپڑا پہننے کے بجائے گیرو ملتے تھے۔ اس میں کلام نہیں کہ مرد کو انزال عموماً جلد ہو جاتا ہے۔ اور عورت کی تشفی دیر میں ہوتی ہے لیکن اگر مرد اپنی قوت ارادی سے پورا کام لینے کی عادت ڈال لے اور بقول سید انشا مرحوم کے پہلے "ہتھ پھیر" کی بدیا کو خوش اسلوبی کے ساتھ عمل میں لائے تو سیپ چیت سواتی کے بوند سے محروم رہے۔

یورپین محققین کا عام خیال ہے کہ یورپ میں یہ شکایت بہت زیادہ ہے۔ بحمداللہ کہ ہندوستان میں لوگ اس پہلو کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں۔ پھر بھی اس قدر کہتے ہیں کوئی ہرج نہیں کہ جوش میں خود غرضی کا حصہ کم ہوتا جائے اس کے لیئے خدانخواستہ امساک کی گولیاں کھانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ صرف مردانہ وار خیال اور اسی وجہ سے قوت ارادی کی مضبوطی کافی ہے۔

امساک کے نسخوں کے بارے میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ زیادہ تر عرقیات میں افیون بھنگ یا دیگر نشی چیزوں کا جزو ہوتا ہے۔ جن کی مضرت اتنے

جگہ بیان ہو چکی ایسی دواؤں سے یا نشے کی عادت ہو جاتی ہے یا ان خاص نسخوں کا عادی ہو جانا پڑتا ہے لا لہٰذا عتبار عینک جو اس سے بھی برا ہے جس قدر افیونیوں کو آپ آنکھیں مانگتے دیکھتے ہیں ننانوے فیصدی وہ ہیں جنھوں نے جوانی میں اپنی کوتاہ نظری سے افیون اسی غرض سے شروع کی۔

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے پھر دل چاہتا ہے کہ پڑھنے والوں کو انکی مردانگی کا واسطہ دلا کر عرض کروں کہ عورت اور مرد کے تعلقات میں اپنے فرائض کو ہمیشہ یاد رکھیں بجائے اس کے کہ گویا اپنا بوجھ ہلکا کر رہے ہیں یا دشمن سے بدلہ نکال رہے ہیں دو دلوں کو ایک کرنے کی کوشش کریں۔ میری اسٹوپس عورت ہو کر ہدایت کرتی ہے کہ عورتوں کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ مجامعت میں تمام اعضاء کا حصہ ہے صرف یہی نہیں کہ باہیں گلے میں ہوں۔ اگر یہ نصیحت مرد لوگ اپنے لیے بھی تصور کریں اور اس ناچیز صلاح کو گرہ باندھیں تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی نیک بیبیاں ہسٹیریا اور دوسرے نسوانی امراض سے بچی رہیں۔ آمین ثم آمین۔

اقتباس از سیکشوال لائف اف اور ٹائم مصنفہ بلاک صفحہ ۲۲۱-۲۶

”ڈاکٹر این ٹن ۔ جے۔ گراس ہا فنگر کی پرانی مگر دلچسپ کتاب جس کا نام ”عورتوں کا مسئلہ اور کسبی کا پیشہ۔ رومن کیتھلک مذہب میں طلاق نہ ہو سکنے کی رو سے خصوصاً اسٹریا کے قانون میں اور زمانہ حال پر فلسفیانہ نظر“ اس میں ایک ایسی فہرست ملتی ہے۔ جو عالم علم النفس حکیم۔ قانون داں اور عالم علم القوم سب کے لیے یکساں دلچسپ ہے۔

نیز اُس شخص کے لیئے بھی کار آمد ہے جو حیات انسانی پر نظر رکھتا ہو۔ اسمیں سو شادیوں کا نقشہ دیا گیا ہے اور شادیوں کی وضاحت بھی کی گئی ہو یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے اور گمشدگی سے بچائی جائے کیونکہ ہمارے زمانے کی شادیوں میں بھی یہ مثالیں پوری طور سے صادق آتی ہیں۔ سب سے پہلے تو مصنف شادی کرنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں اُن کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ یہ دیکھتے ہوئے کہ کس قدر قلیل تعداد اُن لوگوں کی ہے جنھوں نے خوشگوار زندگیاں قانون کے اندر رہ کر اور پھر بھی فطرت کے موافق بسر کی ہیں۔ ایا یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ قانون نکاح۔ اور مذہبی اُصول اور معاشرتی ضابطہ نے وہ منشا پورا کیا جس کے لیئے وہ بنائے گئے تھے۔ ایا یہ کہ ان طریقوں سے عموماً شادیاں خوشگوار۔ بارور۔ آبرو کی اور مبارک بھی ہوتی ہیں ؟۔

مصنف کو شروع شروع کیتھولک دنیا کے سامنے یہ تصویر جو واقعات پر مبنی ہے پیش کرتے ہوئے بہت پس و پیش تھا۔ حالانکہ یہ تصویر بہت تجربوں اور جانچ کے بعد طیار ہوئی تھی۔ اس نے مختلف طبع اور مختلف حیثیت اور نسب کے سو آدمیوں کی شادیوں کی جانچ کی۔ اس نے کوئی انتخابی قاعدہ نہیں اختیار کیا۔ جیسے آتے گئے ویسے ہی سپرد قلم ہوتے گئے۔ اس نے پھر ایسے ہی دوسرے سو بیاہے آدمیوں کو لیا۔ اور تیسری بار پھر سو شادی شدہ لوگوں کو جانچا۔ ہر بار نتیجہ وہی نکلا اور خوشگوار اور ناخوشگوار شادیوں کا بھی تناسب نکلا۔ خود مصنف کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

گو کہ میں نے دل و جان سے واقعی دلی مسرت کی شادیوں کی تلاش کی مگر اس وقت تک میں ناکامیاب رہا۔ اور میں آج تک دعوے کے ساتھ یہ نہ

تعین کرسکا کہ واقعی صحیح آرام کی شادیاں سوا نادرات کے عام ہی کی جاسکتی ہیں۔
مصنف کے خیال میں یہ نقشہ جو اس نے بہم پہنچایا ہے غلط رائی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ بنی تُلی جانچ سے اخذ کیا گیا ہے جس میں برسوں لگے ہیں اور ایسے ذرائع کی وجہ سے ہاتھ لگے جو مختلف طبقوں میں در آنے کے اُس کے پاس تھے۔
اب اُس طویل مشکل اور احتیاط کی سو شادیوں کی فہرست جس میں ہر طبقے کے لوگ شامل ہیں ملاحظہ ہوں۔"
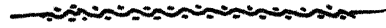
طبقہ امراء

(۱) ۔شادی غنیمت ۔بی بی بیمار آتشک کا شک ۔شوہر کی پاکبازی شادی کے پہلے مشکوک ۔لڑکے بیمار ۔

۲۔ آخر زمانے میں میاں بی بی دونوں خوش جوانی میں شوہر نے آزادانہ زندگی بسر کی ۔

۳۔آخر عمر میں میاں بی بی دونوں خوش ۔لاولد ۔

۴۔میاں نامرد بی بی مغموم ۔

۵۔ میاں بڈھے بی بی بے وفا ۔

۶۔ میاں بی بی ظاہرا خوش لڑکے کنٹھ مالا میں مبتلا (یعنی آتشک کا شک)

۷۔ میاں مجبوراً گھر سے دور بی بی بے وفا ۔

۸۔ میاں بی بی دونوں ناخوش ۔شوہر عیاش ۔

۹۔ ظاہرا دونوں آدمی آخر عمر میں خوش ۔

۱۰۔ شوہر بڑا عیاش آوارہ ۔بی بی مغموم مگر چپ ۔لاولد ۔

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ بے جوڑ شادی مگر خوش ۔

۱۳۔ شوہر بلغمی خوش مزاج ۔بی بی بہت آوارہ لڑکے بیمار ۔

۱۴۔شوہر آوارہ بی بی چپ میاں بی بی نے آپس میں طے کر لیا کہ حالت لاعلاج ہے ۔

۱۵۔ شوہر آوارہ بی بی آوارہ دونوں آتشک میں مبتلا لڑکے بیمار ۔

۱۶۔ دونوں آدمی بیماریوں میں گھرے ہوئے اور پریشان شوہر عیاش

بدمزاج - بی بی بیمار روز بروز گرتی جاتی ہے۔
۱۷- شوہر ذلیل عیاش بی بی سے بگاڑ بی بی مغموم۔

طبقہ متوسطین کا اعلےٰ حصہ

۱۸- دونوں آدمی بیزار شوہر نامرد بی بی سن کی اوتری مگر آوارہ۔
لاولد دن رات دنگا فساد۔
۱۹- دونوں آدمی ایک حد تک بسبب نیک دلی اور نرم مزاجی کے خوش
شوہر شہوت پرست بے وفا۔ بی بی باوفا اور بیمار۔
۲۰- دونوں آدمی مغموم دن رات کی داتا کل کل۔
۲۱- بلغمی مزاج شوہر دولتمند۔ بی بی بیمار۔ لاولد ظاہر بظاہر خوش۔
۲۲- دونوں آدمی انحطاط کے زمانے میں خوش۔ گزشتہ زندگی مشکوک۔
لڑکوں کو کنٹھ مالا۔
۲۳- شادی سے پہلے بی بی اونچے درجے کی خانگی تھی شوہر آوارہ تھا۔ لاولد
۲۴- ظاہر بظاہر آرام کی شادی۔ شوہر جوان بی بی بڈھی شوہر چھپے چھپے
اپنا دل خوش کر لیتا ہے۔
۲۵- ناخوشگوار شادی۔ دونوں آدمی بیزار۔ شوہر آوارہ۔ بی بی برداشت
کرتی ہے۔
۲۶- واقعی آرام کی شادی۔
۲۷- مشکوک آرام کی شادی۔
۲۸- نہایت ہی ناخوشگوار شادی شوہر آوارہ بداطوار۔ بی بی نیم حواس
لڑکے آتشک زدہ۔

۲۹۔ ناخوشگوار شادی۔ شروع شروع میں شوہر نے کچھ بے وفائی کی بی بی نے آج تک نہ معاف کیا۔

۳۰۔ نہایت ہی خوشی کی شادی۔ دونوں آدمی آوارہ زناکار بی بی شوہر کے علم میں کماتی ہے شوہر کے متعدد آشنائیں ہیں دونوں آدمی حکیمانہ نظر رکھتے ہیں۔

۳۱۔ شوہر اُصول اخلاق کا دشمن جس کا پیشہ عورتوں کو پھانسنا ہے۔ بی بی بگاڑ کیے ہوئے۔

۳۲۔ خوشگوار شادی۔ شوہر حسن پرست مگر حد کے اندر بی بی نرم مزاج صابر۔ چاہنے والی اور باوفا۔

۳۳۔ شوہر اعمال کی سزا بھگتے ہیں۔ بی بی بے پروا۔ بہن بہن کی شادی۔

۳۴۔ شوہر بی بی کے روپیہ سے آرام میں ہے۔ مگر بی بی سے لاپروا بی بی بیمار روز بروز گھٹتی جاتی ہے۔

۳۵۔ شوہر نامرد۔ بی بی شوہر کے علم میں ایک دوست سے بے تکلف ایک طرح سے آرام کی شادی کہہ لیجئے۔

۳۶۔ دونوں بے حیا اور آوارہ۔ لامذہب۔ ایک دوسرے سے بے پروا اچھی خاصی آرام کی شادی۔

۳۷۔ شوہر بڈھا بیمار۔ از کار رفتہ عیاشی۔ بی بی ایک دوست سے بے تکلف اچھی خاصی آرام کی شادی۔

۳۸۔ ناخوشگوار شادی۔ شوہر بلغمی مزاج۔ بی بی نہایت ہی مغلوب الشہوت

۳۹۔ ناخوشگوار شادی۔ روپیہ کے لالچ سے ایک امیر آدمی کی بی بی کو بھگا لایا۔ اور پھر اُس کو بھی چھوڑ دیا۔ لاولد۔

۴۰۔ شوہر کثرت کی وجہ سے نامرد۔ بی بی آوارہ۔ خوشگوار تعلقات

۴۱۔ شوہر کثرت کی وجہ سے نامرد۔ بی بی صابر خوشی کی شادی۔

۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ خوشگوار شادی۔ دونوں آدمی بالکل جوان ابھی آزمائش نہیں پڑی۔

۴۴۔ خوشی کی شادی شوہر بلغمی مزاج بی بی باوفا۔

۴۵ شوہر کثرت کی وجہ سے نامرد۔ بی بی امیر۔ فی الحال خوشگوار شادی۔

طبقہ متوسطین کا ادنیٰ حصہ

۴۶۔ خوشی کی شادی۔ شوہر بلغمی۔ کبھی کبھار بے وفائی کر لیتا ہے۔ بی بی برداشت کرتی ہے۔ باوفا اور نیک ہے۔

۴۷۔ خوشی کی شادی۔ دونوں آدمی جوان اور دولتمند۔ شوہر چوری چھپے تاک جھانک کر لیتا ہے۔

۴۸۔ ناخوشگوار شادی۔ ضرور تاً ماں باپ نے شادی ہوگئی ہے شوہر ایک رنڈی رکھے ہے۔ بی بی سے بگاڑ ہے۔

۴۹۔ ناخوشگوار شادی۔ غریبی۔ جلاپا۔ لاولدی۔

۵۰۔ خوشی کی شادی۔ بی بی برداشت کرتی ہے۔ اور بدمزاج غصہ ور شوہر کا خیال رکھتی ہے۔

۵۱۔ ناخوشگوار شادی۔ شوہر ایک خانگی کی صحبت میں خوش بی بی ایک بے وفا آشنا کی صحبت میں بھی ناخوش۔

۵۲۔ ناخوشگوار شادی بلغمی مزاج شوہر آوارہ بی بی۔ دن رات تو تو۔ میں میں۔

۵۳۔ ناخوشگوار شادی۔ شوہر زن مرید۔ نامرد۔ بی بی لڑاکا غصہ ور۔ زبردست۔

۵۴۔ میاں بی بی نے بگاڑ کر لیا ہے۔

۵۵۔ خوشگوار شادی۔ شوہر نیک مزاج اور دھوکے میں رکھا گیا ہے۔ بی بی مغلوب الشہوت آوارہ۔ لڑکے غیر تندرست۔ عورت کو لاعلاج امراض۔

۵۶۔ خوشگوار شادی۔ شوہر از کار رفتہ پرانے عیاش۔ بی بی کبھی کسب کراتی تھیں۔ اب اُتری ہوئیں دونوں ایک طرح کے لاعلاج امراض میں مبتلا۔

۵۷۔ خوشگوار شادی۔ ضرورت اور موٹاپے کی وجہ سے۔

۵۸۔ شوہر جعلیا فریبیا۔ جس طرح سے ممکن ہے۔ گھر والوں کو آرام دیتا ہے بی بی پہلے کسبی تھی۔ شوہر کی دلجوئی کی وجہ سے خوشی کی زندگی بسر کرتی ہے۔

۵۹۔ خوشگوار شادی۔ دونوں رنگیں مزاج۔ دونوں ایک دوسرے کو آزادی دیئے ہوئے ہیں۔

۶۰۔ ایضاً

۶۱۔ خوشگوار شادی۔ شوہر نے نہایت ہوشیاری سے اپنے ہتھکنڈے چھپائے ہیں۔ بی بی باوفا۔ اور ہر وقت دلجوئی کرنے والی۔

۶۲۔ ناخوشگوار شادی۔ دونوں طرف لغزشیں اور اس کے ناگزیر نتائج۔

۶۳۔ خوشگوار شادی۔ شوہر کی وفاداری میں کلام کی گنجائش۔

۶۴۔ ایضاً

۶۵۔ ایضاً

۶۶- ناخوشگوار شادی - شوہر نے بی بی کے روپئے سے کاروبار کیا ہے اور آوارگی میں اُڑاتا ہے - بیوی بدمزاجی کے ذریعہ سے بدلہ نکال لیتی تھی مصلحت کی وجہ سے شادی ہوئی تھی -

۶۷- ناخوشگوار شادی - روپیہ کے لالچ میں - جوان شوہر کو بڈھی ناکوں چنے چبواتی ہے - شوہر شراب پی پی کر جان دے رہا ہے -

۶۸- دونوں کنجوس مکھی چوس - ہمخیالی اور خود غرضی کی وجہ سے خوشگوار شادی -

۶۹- عصمت بی بی از بے چادری انتہائی غریبی میں ایک دوسرے کو نہ چاہیں تو کیا کریں -

۷۰- خوشگوار شادی - شوہر بڑا شرابی عورت لالچی - لاولد -

۷۱- بگاڑ ہوگیا - شوہر نے بی بی کو چھوڑ دیا - غریبی میں کسب کرانے لگی -

۷۲- ناخوشگوار شادی - شوہر نامرد - بی بی پُرشہوت - ہر وقت لڑائی -

۷۳- میاں بی بی دونوں جوان - بی بی ایک دولتمند یہودی کے تعلق میں ہے - وہی گھر کا خرچ چلاتا ہے -

۷۴- ناخوشگوار شادی - شوہر آوارہ - بی بی سے بے پروا - بی بی لاعلاج مریض - لڑکے آتشک زدہ -

۷۵- ناخوشگوار شادی - دونوں فریق محتاج - بیمار -

۷۶- کاروبار کی بنا پر شادی ہوئی ہے - شوہر نے تین دولتمندوں کے سامنے بی بی کو یکے بعد دیگرے پیش کیا - اسی پر روٹیاں چلتی ہیں -

۷۷- بداخلاقی کی تصویر - شوہر ایک جعل فریب کا پیشہ کرتے ہیں بی بی کو

ایک پرانے آشنا پنشن دے گئے ہیں۔ لڑکیاں ماں کا رویہ سیکھ رہی ہیں۔
۷۸۔ ایک طرح کی غنیمت شادی۔ شوہر پہلے خدمتگار تھے۔ اب کاروبار کرتے ہیں۔ بی بی پہلے کماتی تھیں۔ کچھ اندوختہ کیا تھا۔ لاولد۔
۷۹۔ خوشگوار شادی۔ عورت چلتی ہوئی۔ شوہر گھامڑ۔
۸۰۔ ناخوشگوار شادی۔ شوہر بی بی کی صورت سے جلتا ہے۔ وہ بھی جان عذاب میں کئی رہتی ہے۔ روپیہ پیسہ ساتھ لائی تھی۔
۸۱۔ آوارہ شوہر۔ آوارہ بی بی۔ بگاڑ ہے۔ لڑکوں کو کنٹھ مالا۔
۸۲۔ نامرد شوہر۔ پرشہوت عورت۔ بیمار لڑکے۔ ہر وقت جوتی میں دال بٹتی ہے۔
۸۳۔ ادھیڑ عمر کے عیاش منش شوہر۔ جوان بی بی۔ بے فکری اور دولت کی وجہ سے خوشگوار تعلقات۔
۸۴۔ رنگیں مزاجی کی شادی۔ بی بی ایک امیر آدمی کی نوکر ہیں۔ گھر کا کام آرام سے چلتا ہے۔

طبقہ ادنٰی

۸۵۔ آوارہ شوہر۔ پہلے جہیز کی دولت تھی۔ اب دونوں فقیر۔ بازار میں چھوٹی پونجی کی دلالی کرتے ہیں۔ بی بی مریض۔ لڑکے مر گئے۔
۸۶۔ غریبی میں ایک دوسرے سے خوشگوار برتاؤ کرتے ہیں۔
۸۷۔ خاندان بھر کٹنا یا کرتا ہے۔
۸۸۔ بڑی خوشگوار شادی۔ میاں چور۔ بی بی چھنال۔
۸۹۔ غریبی کی وجہ سے ناخوشگوار شادی۔

۹۰۔ ناخوشگوار شادی۔ شوہر شرابی۔ بی بی غریبی اور مشکلات میں محنت مزدوری کرتی ہے۔

۹۱۔ ناخوشگوار شادی۔ غریبی۔ جلاپا۔ بیماری۔ شکایات جا و بے جا۔

۹۲۔ نوکر لوگ۔ بی بی اور لڑکی آقائے ولی نعمت کے چیچی کرتے ہیں۔

۹۳۔ ناخوشگوار شادی۔ دنگا فساد۔ بے اعتباری۔ نفرت و حقارت۔

۹۴۔ ناخوشگوار شادی۔ راستباز شوہر جس کو بی بی دھوکا دیتی ہے اور غریبی کی وجہ سے شوہر کا دباؤ نہیں مانتی۔

۹۵۔ ناخوشگوار شادی۔ شوہر گھر چھوڑ کر بھاگ گیا۔

۹۶۔ شادی بداخلاقی کا نمونہ۔ ماں باپ۔ لڑکیاں سب کی زندگی حرام کاری پر ہوتی ہے۔

۹۷، ۹۸، ۹۹ } نہایت غریبی تباہی کی شادیاں۔ سب کے سب محتاج خانہ میں پہنچ گئے۔

۱۰۰۔ واقعی خوش نصیب جوڑا۔ زندگی کی کڑیاں ساتھ جھیلیں ایک نے دوسرے کی فروگذاشتیں بھلادیں۔ سُکھ دُکھ میں ساتھ نہ چھوڑا۔ ایک پاکبازی کا ساتھ بہتر سے بہتر معنی میں۔

اس طویل فہرست کے گوشوارے حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱۔ ناخوشگوار تعلقات	فیصدی	۴۸
بین بین کے تعلقات	″	۳۶
واقعی خوشگوار تعلقات	″	۱۵

راستبازی کے تعلقات	فیصدی	۹
راستبازی بہ پابندی شرع	″	

کون ہوتا ہے حریف مئے مردافگن عشق ہے مکرر لب ساقی یہ صلا میرے بعد

نمبر۲۔ بنوع دیگر

اپنے ارادے اور خواہش کی وجہ سے بداخلاق شادیاں	فیصدی	۱۴
آوارہ اور عیاش مزاجی کی وجہ سے	″	۵۱
واقعی ایسی جن میں بدی کا گمان بھی نہ ہو سکے	″	۹

دریں جہاں گل بیخار کس نچید آرے چراغ مصطفوی با شرار بولہبیت

نمبر۳۔ بیبیاں جو شوہر کے کرتوتوں سے بیمار ہوئیں	فیصدی	۳۰
بیبیاں جو بغیر شوہر کی برائی کے کیفر کردار کو پہنچیں	″	۳۰
بیبیاں جو اپنے افتاد طبیعت کی وجہ سے تکلیف میں تھیں	″	۱۲

خاتمہ

اس کتاب میں زیادہ باتیں ایسی ملیں گی جو پسند عام سے دور اور نئی روشنی کے برعکس ہیں۔ مغرب کی دریافت۔ مغرب کی معلومات۔ مغرب کی حکومت کا اثر۔ قصہ مختصر تمام چیزیں اس رسالہ کے خلاف ہیں عذر خواہی میں صرف اس قدر عرض کیا جا سکتا ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے از روئے دیانت لکھا گیا ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہوا ہے کہ کسی کو خوش کرنے کے لیئے یا کسی کو خفا کرنے کے لیئے یا خود اپنے ہی دل کو خوش کرنے کے لیئے کوئی خیال ایسا ظاہر کیا گیا ہو جو خود لکھنے والے کو غلط معلوم ہوتا ہو۔

آج کل کے حقوق اور عورت کی قابلیت مرد کے برابر سمجھی جاتی ہے عورت پارلیمنٹ میں بیٹھتی ہے عورت موٹر ہانکنے کی نوکری کرتی ہے۔ عورت انجنیری کرتی ہے عورت کانسٹبل ہوتی ہے اور ہر شعبہ میں عمدہ کام کر کے دکھا دیتی ہے۔

لہذا عورت مرد کے برابر ہو گئی۔ لکھنے والے کا خیال بدقسمتی سے اس نتیجہ پر نہیں پہونچتا۔ عورت یہ سب کچھ کر سکتی ہے وہ اس سے بھی زیادہ کر سکتی ہے وہ میدان جنگ میں لڑ سکتی ہے وہ مار سکتی ہے اور مر سکتی ہے۔ وہ اپنے زخمی شوہر کو میدان جنگ سے اُٹھا لا سکتی ہے اور اس کے بعد چتا پر بیٹھ کر ستی ہو سکتی ہے لیکن وہ مرد کے برابر نہیں بلکہ مرد سے برتر ہے۔ صرف فرق اس قدر ہے کہ دونوں جنسوں کے کام کرنے کے دائرے الگ الگ ہیں۔ اس امر کو مان کر اگر عورت کو ٹرا لاٹ صاحب بنا دیجئے تو صرف یہی نہیں کہ کسی کو عذر نہ ہو بلکہ یہ کہ ادھر دس پندرہ برس کے دیکھتے ہوئے یقیناً کام بھی اچھا کرے گی۔ جس وقت تک عورت کے متعلق لڑکوں کو نو مہینے پیٹ میں رکھنا ہے۔ اُن کو دودھ پلانا ہے

جب تک اس صنف کو ایام ہوتے ہیں جب تک عورت مرد پر حکومت کر لیتی ہے تب تک مرد اور عورت برابر نہیں ہو سکتے۔ ہیولاک ایلس جس سے بڑا ماہر جنسیات انگریزی سرزمین نے پیدا نہیں کیا ہی اپنی کتاب مین اینڈ وومن میں بیسوں نقشے دے کر اسی نتیجہ پر پہنچا ہی اور جسمانی اور دماغی کاموں کی گوشوارے اور جدولیں طیار کر کے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا ہی۔ اور کتابیں بھی موجود ہیں جو سب ایک ہی راگ گاتی ہیں۔ اس معاملہ میں اگر یہ رسالہ گنہگار ہی تو تنہا نہیں دنیا کی بڑی بڑی تصانیف کے ہم کاب ہی۔

تعدد ازواج کے بارے میں جو کچھ عرض کیا گیا ہی اُس میں ظاہرا یورپین ہمخیال کم ملیں گے دل کا حال خدا جانتا ہی۔ مشرقی برادران ہزاروں ہیں یہ کہ ادبار اور بے طاقتی کی وجہ سے ان کی بات نگاہ میں نہ جچتی ہو یہ بد قسمتی ہی خیر متعدد بیبیوں کا سوال تو صرف امرا ر سے متعلق ہی البتہ طریق شادی سے ہر صحیح اور تندرست انسان کو واسطہ ہی۔

آخر الذکر معاملہ میں سب سے بہتر گواہ جو پیش کیا جا سکتا ہی کاونٹ ہرمان کیزرلنگ کی کتاب "بک آف میرج" ہی جو ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی ہی اس کا دیباچہ اور دو ایک باب کیزرلنگ کے لکھے ہوئے ہیں باقی ابواب مختلف مشاہیر عالم کے قلم سے ہیں جو اپنے اپنے شعبہ میں حکم مانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر بیٹرس ایم ہنکل امریکی خاتون جس نے اپنی عمر عورتوں کے کام میں صرف کی ہی تحریر کرتی ہے کہ ہمارے یہاں کی عورتیں مادریت کے لیئے بہمہ وجوہ موزوں ہیں البتہ زوجیت کے لیئے مشکل سے طیار کی جا سکتی ہیں۔ خود ہیولاک ایلس ایک مضمون میں جو اُنھوں نے حال ہی میں سیٹرڈے ریویو میں لکھا ہی اور جس کو ۲۹ مئی ۲۷ء کے لیڈر الہ آباد نے نقل کیا ہی کہ "وہ زمانہ

گیا جب (خلیل خاں فاختہ اُڑاتے تھے) اور لوگ عورتوں کو ان کی لغزشوں پر قتل کر ڈالتے تھے اس طرح کی زبردستیوں کا وقت اب نہیں رہا۔ اب ہم میاں بی بی کو ایک دوسرے کی جائداد نہیں تسلیم کرتے۔ اب زنائے محصنہ بجائے ٹریجڈی کے کامڈی کی بات ہوگئی۔ لیکن جذبہ رشک پھر بھی انسان میں موجود ہے۔ یہ ایک بہیمیت ہے جس سے پالو جانور تک خالی نہیں لیکن ہم لوگ انسان اسی وقت ٹھہر سکتے ہیں جب رشک کے اوپر فتح حاصل کرکے تہذیب کا خلعت پہنتے ہیں" کپلنگ کا قول ہے کہ "شادی صرف دو آدمیوں کی متحدہ خوشی کا نام نہیں ہے بلکہ اُس میں تکلیفیں بھی ہیں"۔ جس مقام پر یہ جملہ آیا ہے وہاں مفہوم یہی رشک کے پہلو والا۔ رومن کیتھلک جن کے یہاں طلاق کسی حالت میں نہیں ہے اور پراٹسٹنٹ جن کے یہاں زنا کی سزا طلاق ہے ان دونوں کا مقابلہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ رومن کیتھلک شادی صرف جنسی اتحاد کا نام نہیں ہے بلکہ پوری زندگی کا انتظام ہے جس میں مذہبی زندگی بھی شامل ہے اور جنسی زندگی صرف اس کی ایک شاخ ہے جو ہرگز اتنی اہم نہیں کہ اگر وہ ٹوٹ جائے تو نکاح اُدھڑ جائے۔

پھر اسی مضمون میں ارشاد ہوتا ہے کہ "ہم لوگوں نے وفاداری کے پہلو کو اس قدر تقویت دے دی ہے کہ دونوں جنسوں کے نوجوان لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ وفاداری کا خیال محال تھا اور جنون بنا تو وہ لوگ اپنی جگہ پر شرمندہ ہوتے ہیں اور کہیں خال خال ایسے نکلتے ہیں جو ایک دوسرے سے پوری بات کہہ کر دودلوں میں صفائی پیدا کر لیتے ہیں اور اعتماد بڑھا لیتے ہیں جو بجائے خود بہترین نتیجہ شادی کا ہے گو اس میں وفاداری نہ بھی ہو"۔ ملاحظہ ہو لیڈر ۲۹ رمئی ۱۹۲۷ء

میرے نوجوان ہندوستانیوں پہلے اپنا دل تول لو تم سے یہ باتیں ممکن ہیں۔ تب کورٹ شپ اور انگریزی طریق محبت کو اختیار کرنے کی ہوس کرو۔ اسی کے

مقابلہ میں ایک نظر آکسفورڈ انفلڈ ایف آر جی ایس آئی سی ایس کی کتاب وومن آف انڈیا سے بھی نقل کرنے کو دل چاہتا ہی جس میں اُس نے ہندوستانی طریق شادی کے عیوب کے ساتھ ہی ساتھ اس کے ہنر بھی بیان کیئے ہیں۔ صفحہ ۱۲۱ میں مسلمانوں کی قانون شادی کے بارے میں لکھا ہی کہ " اس طرح کا قرین عقل اور قرین انسانیت طریقہ صفحہ عالم پر نہیں دکھائی دیتا" پھر صفحہ ۱۷ میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں لکھا ہی "مسلمانی عورتوں کی ہدایت کے لیئے آسمانی قانون موجود ہی کہ اگر اُن پر عمل کیا جائے تو اس سے زیادہ قرین عقل۔ ممد انصاف اور انسانی آزادی کی حمایت کا ضابطہ کسی قانون میں نہ پایا جائے"

ہندو طریق شادی کی خوبصورتیوں سے صفحہ کے صفحہ رنگین ہیں جن کا پہلو دوسرا ہی یہ سب کچھ ہی لیکن ہمارے نوجوانوں کو یہی خواہش ہی کہ جب تک عاشق نہ ہوں شادی غلط ہی۔ ہائے غیر قوم پرستی والے غیر قوم پرستی۔ بھاڑ میں جائے غیر قوم پرستی رنڈیوں کے باب میں جو کچھ لکھا گیا ہی اس کو شاید اکثر حضرات پسند نہ فرمائیں ایسے حضرات سے گزارش ہی کہ اگر اور نہیں تو صرف یہی ایک کتاب "وومن آف انڈیا" پڑھ لیں تب رائے قائم کریں۔ اگر قدیم یونانی تاریخ میں کامرنڈیا ہیٹا ئرا کا حال پڑھ لیں تو اور اچھا ہی۔

بیماریوں کے بارے میں پھر وہی التماس ہی کہ ہزار علاج کا ایک علاج گناہ سے پرہیز ہی اگر یہ نہ ہو سکے تو دوسرا درجہ احتیاط کا ہی۔ جس میں دوراندیشی سے کام لیا جائے' اگر یہ بھی نہ ہو سکا تو کم ہمتی نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ بیماری کا مقابلہ استقلال سے کرنا چاہیئے اور علاج کے زیر اثر ہونے سے گھبرا نہ جائے۔ اگر نصیب دشمناں اس میں بھی ناکامیابی ہوئی تو دنیا کی تکلیفیں عقبیٰ کا کفارہ ہیں اور آپ کہہ سکتے ہیں۔

یارب بدل اسیر من رحمت کن	بر سینۂ غم پذیر من رحمت کن
بر پائے خرابات رو من بخشای	بر دست پیالہ گیر من رحمت کن

تسکین قلب خود بکار اُٹھے گی۔

گویند بہ حشر گفتگو خواہد بود	واں یار عزیز تند خو خواہد بود
از خیر محض بجز نکوئی ناید	خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

تمت

مطبع جامعہ ملیہ دہلی میں
باہتمام
محمد مجیب بی اے۔ (آکسن)
چھپی
ملنے کا پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی